احمدی نوجوانوں کیلئے

اپریل 2005ء

مدیر

منصور احمد نورالدین

علامات المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار

جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار

اِسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب

کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟

اسے دے چکے مال و جاں بار بار

ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے

وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

(روحانی خزائن، جلد نمبر ۴ نشان آسمانی، صفحہ ۴۰۷)

مجلس خدام الاحمدیہ کے نام

محترم صدر صاحب کا پیغام

پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جمعہ ۱۵/اگست ۲۰۰۳ء میں ارشاد فرمایا:-

''معاشرے میں آجکل بہت سارے جھگڑوں کی وجہ طبیعتوں میں بے چینی اور مایوسی کی وجہ سے ہوتی ہے جو حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ مایوسی اور بے چینی اس لئے بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ دنیا داری اور مادیت پرستی اور دنیاوی چیزوں کے پیچھے دوڑنے کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکّل کم ہو گیا ہے اور دنیاوی ذرائع پر انحصار زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے اگر اپنی زندگیوں کو خوشگوار بنانا ہے تو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دعاؤں پر زور دیں اور اسی سے آپ کی دنیا اور عاقبت دونوں سنوریں گی۔ اور یہی توکّل جو ہے آپ کا آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی نسلوں میں بھی آپ کے کام آئے گا۔''

(الفضل انٹرنیشنل ۱۰ تا ۱۶/اکتوبر ۲۰۰۳ء صفحہ ۸)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم پیارے آقا کے ارشادات پر عمل کرنے والے ہوں اور ہمیں خدا کی ذاتِ بابرکات پر کامل توکل حاصل ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد

اپریل 2005ء
شہادت 1384ہش

جلد52
شمارہ نمبر4

monthlykhalid52@yahoo.com

مدیر
منصور احمد نور الدین

مجلس ادارت
لئیق احمد ناصر چوہدری، عبدالرحمٰن
وقار احمد، سید عطاء الواحد رضوی

اس شمارے میں

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر پبلشر: قمر احمد محمود مینیجر: عزیز احمد پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر
مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ) مقام اشاعت: ایوان محمود دارالصدر جنوبی قیمت ۱۰ روپے ...... سالانہ ۱۰۰
PH: +92 0476 212349 - 215415 - 212685 FAX: +92 0476 213091

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حضرت رسول کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم ان الفاظ میں دیتا ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب : 57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو ان میں سے مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔

(ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

''آپ درود شریف کے پڑھنے میں بہت ہی متوجہ رہیں۔ اور جیسا کہ کوئی اپنے پیارے کے لئے فی الحقیقت برکت چاہتا ہے۔ ایسے ہی ذوق اور اخلاص سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت چاہیں۔ اور بہت ہی تضرع سے چاہیں۔ اور اس تضرع اور دعا میں کچھ بناوٹ نہ ہو۔ بلکہ چاہئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی دوستی اور محبت ہو۔ اور فی الحقیقت روح کی سچائی سے وہ برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگی جائیں کہ جو درود شریف میں مذکور ہیں...... اور ذاتی محبت کی یہ نشانی ہے کہ انسان کبھی نہ تھکے اور نہ ملول ہو۔ اور نہ اغراض نفسانی کا دخل ہو۔ اور محض اسی غرض کے لئے پڑھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خداوند کریم کے برکات ظاہر ہوں''۔ (مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 24`25)

پھر فرماتے ہیں:-

''ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا۔ کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں۔ وہ بجز وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مل نہیں سکتیں۔ جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (المائدۃ:36) تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔ اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں ھٰذَا بِمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 131 حاشیہ)

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(مرزا عرفان قیصر۔خانقاہ ڈوگراں)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تو صرف قاسم ہوں خدا تعالیٰ دیتا ہے اور میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور آپ کی ساری زندگی اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ آپ اپنے نفس کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ آپ کو جو بھی عطا فرماتا اپنی اولین فرصت میں تقسیم کر دیا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا کرتے تھے۔ان کا بیان ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شجاع تھے۔(مسلم کتاب الفضائل باب شجاعة رسول اللہ ﷺ)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں بے شمار واقعات نظر آتے ہیں۔

غربت کا کوئی ڈر نہ تھا

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کا واسطہ دے کر مانگا جاتا تو آپ حسب استطاعت ضرور دیتے ایک دفعہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا۔ آپ نے اس کو بکریوں کا اتنا بڑا ریوڑ دیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی بھر گئی۔ جب وہ بکریاں لے کر اپنی قوم میں واپس آیا تو آکر کہا اے لوگو! اسلام قبول کر لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دیتے ہیں کہ جیسے غربت واحتیاج کا انہیں کوئی ڈر ہی نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کوئی آدمی دنیا کی خاطر اسلام قبول کر لیتا تو کچھ مدت کے بعد وہ محسوس کرنے لگتا کہ دنیا و مافیہا میں سے اسلام سے زیادہ اور کوئی چیز اسے محبوب نہیں۔ (مسلم کتاب الفضائل باب فی سخائہ ﷺ)

مال تقسیم کرنے میں جلدی

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ انہیں عقبہ بن حارث نے بتایا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز عصر ادا کی۔نماز کے بعد آپ نے جلدی کی اور فوراً گھر میں تشریف لے گئے کچھ دیر بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو میں نے یا کسی اور نے آپ سے (اس بارہ میں) عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے گھر میں صدقہ کی ایک سونے کی ڈلی چھوڑی تھی میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ ایک رات تک میرے پاس رہے۔پس میں اسے تقسیم کر کے آیا ہوں۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب من احب تعجیل الصدقة من یومها)

میں بخیل نہیں

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر کچھ بدو آپ کے پیچھے پڑ گئے وہ بڑے اصرار سے سوال کر رہے تھے جب آپ انہیں دینے لگے تو انہوں نے انتشار کیا کہ آپ کو مجبوراً ایک درخت کا سہارا لینا پڑا۔حتیٰ کے آپ کی چادر چھین لی گئی۔آپ نے فرمایا

میری چادر مجھے واپس دے دو۔ پھر کیکروں کے بہت بڑے جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر اس وسیع جنگل کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوں تو میں ان کو تقسیم کرنے میں خوشی محسوس کروں گا اور تم مجھے کبھی بھی بخل سے کام لینے والا، بڑ ہانکنے والا یا بزدلی دکھانے والا نہیں پاؤ گے۔
(بخاری کتاب فرض الخمس باب ما کان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبهم)

ایک دستی کے سوا سارا گوشت تقسیم کر دیا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ بکری ذبح کی گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کچھ بچا بھی ہے میں نے عرض کی کہ حضور ایک دستی بچی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ایک دستی کے سوا سارا گوشت بچ گیا ہے۔(ترمذی صفة القیامة باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض)

صفوان پر فیاضی

جنگ حنین کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو سو اونٹ دیے پھر سو اونٹ دیے اور پھر مزید سو اونٹ دیے یعنی تین سو اونٹ دیے۔ صفوان کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے سب سے زیادہ نفرت تھی لیکن اس عطا یا نے میرے بغض کو محبت میں بدل دیا۔(مسلم کتاب الفضائل باب سخائه)

اشرفیوں کی تقسیم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ:
''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے گھر میں آکر پوچھا کہ ہمارے گھر میں کیا ہے؟ عائشہؓ نے دو اشرفیاں نکال کر دیں اور کہا کہ یہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلی پر رکھ لیں اور کہا کہ کیا حال ہے اس نبی کا جو پیچھے دو اشرفیاں چھوڑ جائے۔ اور پھر اُسی وقت تقسیم کر دیں''۔
(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۰۷)

ساری بکریاں عطا کر دیں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:
''آپؐ کے پاس ایک موقع پر بہت سی بھیڑ بکریاں تھیں۔ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکری جمع ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اس قدر نہیں۔ آپؐ نے سب کی سب اس کو بخش دیں وہ اسی وقت ایمان لے آیا۔ کہ نبی کے سوا اور کوئی اس قسم کی عظیم الشان سخاوت نہیں کر سکتا''۔
(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۶۱)

مہر بھی تقسیم کر دی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:
''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا وہ سخاوت کر دیا کرتے تھے ایک بار آپ۔ کے گھر میں...... ایک مہر تھی آپؐ نے اس کو لے کر تقسیم کر دیا''۔
(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۶۳)

آخری دینار بھی تقسیم کر دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-
''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایام وفات میں دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک دینار تھا۔ فرمایا کہ یہ سیرت یگانگت سے بعید ہے کہ ایک چیز بھی اپنے پاس رکھی جاوے''۔
(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۰)

❁❁❁❁❁❁

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک پہلو
سچائی

(مرسلہ: مکرم مبشر احمد ڈار صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تخمیناً پندرہ یا سولہ سال کا عرصہ گذرا ہوگا یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اِس عاجز نے (دین حق) کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام رلیا رام تھا اور وہ وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اُس کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دونوں طرفیں کھلی تھیں بھیجا اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں (دین حق) کی تائید اور دُوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لئے تاکید بھی تھی اس لئے وہ عیسائی مخالفتِ مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کے لئے یہ موقع ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا جس کی اس عاجز کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی اور ایسے جرم کی سزا میں قوانینِ ڈاک کے رُو سے پانسو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اُس نے مخبر بن کر افسرانِ ڈاک سے اِس عاجز پر مقدمہ دائر کرا دیا اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی کچھ اطلاع ہو۔ رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کیلئے مجھ کو بھیجا ہے اور مَیں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آ سکتی ہے۔ غرض مَیں اِس جُرم میں صدر ضلع گورداسپورہ میں طلب کیا گیا اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا۔ اُنہوں نے یہی مشورہ دِیا کہ بجز دروغگوئی کے اور کوئی راہ نہیں اور یہ صلاح دی کہ اِس طرح اظہار دے دو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔ رلیا رام نے خود ڈال دیا ہوگا اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائے گی ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں، مگر مَیں نے اُن سب کو جواب دیا کہ مَیں کسی حالت میں راستی کو چھوڑنا نہیں چاہتا جو ہوگا سو ہوگا۔ تب اُسی دن یا دُوسرے دِن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے۔ تب مَیں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے اور مَیں نے اِس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا، مگر مَیں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ مَیں نے اِس کو اِس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی نج کی بات تھی۔ اِس بات کو سُنتے ہی خدا تعالیٰ نے اِس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ جات نے بہت شور مچایا اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو مَیں نہیں سمجھتا تھا مگر اس قدر سمجھتا تھا کہ ہر یک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو نو کر کے اُس کی سب باتوں کا ردّ کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنے تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت۔ یہ سن کر مَیں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسنِ حقیقی کا شکر بجا لایا جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ اُس وقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اُس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ مَیں نے اِس سے پہلے یہ خواب بھی دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اُتارنے کے لئے ہاتھ مارا۔ مَیں نے کہا کیا کرنے لگا ہے تب اُس نے ٹوپی کو میرے سر پر ہی رہنے دیا اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۹۷)

کِس قدر ظاہر ہے نُور اُس مبدءُ الانوار کا

منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کِس قدر ظاہر ہے نُور اُس مبدء الانوار کا بن رہا ہے سارا عالَم آئینہ اَبصار کا

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بے کل ہوگیا کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُس میں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دِل میں ہمارے جوش ہے مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قُدرت کا پیارے ہر طرف جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کِسی دیوانہ مجنوں وار کا

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۴، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۵۲)

ارشادات
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

عبادات......انعام کے حصول کا ذریعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ فرمودہ ۳؍دسمبر ۲۰۰۴ء میں فرماتے ہیں:-

''دیکھ لیں جب عبادتوں کے معیار کم ہونے شروع ہو گئے تو آہستہ آہستہ مسلمانوں کا رعب بھی ختم ہوتا رہا۔ آج ہر طاقتور قوم ان سے جو سلوک کرنا چاہے کرتی ہے اور اب تو ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ تو یاد رکھو کہ یہ انعام انہی عبادتوں کی وجہ سے تھے جو ہمارے آباء واجداد نے کیں یا کرتے رہے، جو صحابہ نے کیں، ان کی وجہ سے فتوحات حاصل کیں۔ اور یہ انعام اب بھی مل سکتے ہیں اور ملتے رہیں گے اگر عبادتوں کی طرف توجہ پیدا ہوتی رہی۔ اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کر کے تم اپنی کھوئی ہوئی میراث حاصل کر لو گے، تو یہ وہم ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ دنیا داری اور نفس پرستی نے اور دنیا کی چکا چوند نے اتنا زیادہ اپنے آپ میں منہمک کر دیا ہے کہ تمہیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا کہ یہ ہو کیا رہا ہے اور تم اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے۔ جن مسلمان ملکوں اور لیڈروں کے پاس حکومتیں ہیں ان کو اس طرف سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے نہ ہی سوچنا چاہتے ہیں۔ اور یہ سب جیسا کہ مَیں نے کہا یہ دنیا داری ہی ہے، یہ عبادتوں میں کمی ہی ہے جس نے امت مسلمہ کی یہ حالت کر دی ہے، یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ پس یہ سوال اٹھانے کی بجائے کہ اللہ کو عبادتوں کی کیا ضرورت ہے اور عبادت مشکل ہے اور اس زمانے میں اس طرح ادائیگیاں نہیں ہو سکتیں، ہر احمدی (مومن) ہر دوسرے (مومن) کو یہ سمجھائے، ہر دوسرے کو سمجھائے کہ یہ کھوئی ہوئی شان اگر دوبارہ حاصل کرنی ہے تو پھر عبادتوں کی طرف توجہ دو۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرو کیونکہ (مومن) کہلا کر پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کر کے ہم اس کے انعاموں کے وارث نہیں بن سکتے۔

یاد رکھو یہی (مومن) کی شان ہے اور یہی ایک احمدی کی بھی شان اور پہچان ہونی چاہیے اور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا ہو۔ اور یہی عبادتیں ہیں جو اسے عاجزی میں بھی بڑھائیں گی اور یہی عاجزی ہے جو پھر اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا موقع بھی مہیا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قرب میں جگہ دے گا اور اسے انعام بھی ملیں گے۔ پس عقل کرو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ انعام عاجز ہو کر عبادت کرنے والے کو ہی ملتے ہیں۔ اور پھر یہ کہ عبادتیں کرنے والے عبادتوں میں تھکتے بھی نہیں، بے صبرے بھی نہیں ہو جاتے۔ یہ سوال بھی نہیں اٹھاتے کہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھنی مشکل ہیں۔ بلکہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پہچانتے ہوئے خدا تعالیٰ کے سامنے جھکے رہتے ہیں''۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۷ تا ۲۳ دسمبر ۲۰۰۴ء)

مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ......

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ ردسمبر ۲۰۰۴ء میں فرماتے ہیں:-

''ہر عقلمند انسان اس طرف زیادہ راغب ہوگا جہاں اس کو زیادہ فائدہ نظر آتا ہوگا۔ دنیاوی معاملات میں تو ہر کوئی فائدہ دیکھتا ہے لیکن اللہ کے معاملے میں اس طرف نظر نہیں جاتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بڑا واضح طور پر فرمایا ہے کہ تمام فائدے تمہیں مجھ سے ہی ملنے ہیں۔ اور میری طرف ہی جھکو۔ عبادت کرو، تکبر کو چھوڑو۔ اور کیوں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں یہ نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹ دی ہوئی ہے۔ اکثر دفعہ اپنی عبادت نہ کرنے والے یا شریک ٹھہرانے والوں کی فوری طور پر پکڑ نہیں کرتا، کیونکہ کھلی چھٹی دی ہوئی ہے کہ چاہے تو میری طرف آؤ، چاہے تو شیطان کی طرف جاؤ۔ لیکن یہ بھی فرمادیا کہ شیطان کی طرف جا کر میرے انعاموں سے بھی محروم رہو گے اور دنیا میں بھی بعض دفعہ پکڑ ہو سکتی ہے اور بہر حال آخرت میں تو یقینی پکڑ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے والے ہو گے۔ تو بہر حال مالک کو حق ہوتا ہے کہ جو اصول وضع کئے گئے ہیں ان پر عمل نہ کرنے والوں کو سزا دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بعض عقلمند بننے والے یہ کہتے ہیں کہ سزا کا بھی حق نہیں ہونا چاہیے، اور عبادت بھی جو مرضی کرے جو نہ کرے، چھوٹ ہونی چاہیے۔ چھوٹ تو ہے لیکن بہر حال پھر مالک ہونے کی حیثیت سے اس کو سزا کا بھی حق ہے اسی کو پکڑ کا بھی حق ہے۔ اس پر اعتراض ہو جاتا ہے کہ انسان کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا جو اصول بنایا ہے یہ بڑا غلط ہے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت زبردستی کروانا چاہتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو یہ سب کچھ کروا کر انعامات سے نواز رہا ہے۔ جابر حکمران کی طرح یہ نہیں کہہ رہا کہ بس ہر صورت میں یہ کرو جس طرح بیگار لی جاتی ہے۔ بلکہ نہ صرف انعامات سے نوازتا ہے جہاں آسانی کی ضرورت ہے عبادتوں میں آسانی بھی پیدا فرماتا ہے۔ جیسا کہ سفر میں، بیماری میں کافی سہولتیں مہیا ہیں۔ روزے دار کے لئے بھی، نماز پڑھنے والے کے لئے بھی۔ تو اس پر تو بجائے زبردستی کا تصور قائم کرنے کے انسان جتنا سوچے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تصور ابھرتا ہے۔ اور پھر اس کی حمد اور اس کی عبادت کی طرف مزید توجہ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر پھر بھی کوئی یہی رٹ لگائے رکھتا ہے کہ عبادت بڑی مشکل ہے اور عبادت کس لئے کی جاتی ہے، اور عبادت کی طرف نہیں آتا اور بے عقلوں کی طرح صرف دلیلیں دیئے چلا جاتا ہے اور وہ بھی اوٹ پٹانگ دلیلیں۔ تو اللہ تعالیٰ جس نے نوازنے کے لئے بندے کو عبادت کا حکم دیا ہے، بندے کے اپنے فائدے کے لئے عبادت کا حکم دیا ہے فرماتا ہے کہ اگر تم پھر بھی نہیں مانتے، انکار پر مصر ہو، اس پہ اصرار کئے جا رہے ہو تو پھر خدا کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ اسے کوئی شوق نہیں ہے کہ تمہارے جیسے نافرمان اپنے اردگرد اکٹھا کرے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (سورۃ الفرقان آیت: ۷۸)

تو کہہ دے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرتا۔ پس تم اسے جھٹلا چکے ہو، ضرور اس کا وبال تم سے چمٹ جانے والا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ دعاؤں اور عبادت کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ تمہیں ضرورت ہے۔ پس اگر تم انکار پر تلے بیٹھے ہو تو

خدا تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ یہ بہر حال اس کا حق ہے، وہ مالک ہے"۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۷ تا ۲۳ دسمبر ۲۰۰۴ء)

حُبّ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍ دسمبر ۲۰۰۴ء میں فرماتے ہیں:-

"اب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ سے کس طرح محبت کرو۔ ایک روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا جب تک مَیں اسے اپنے والد اور اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

(بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان)

تو یہ معیار بتایا ہے دنیاوی رشتوں کی مثال دے کر کہ صرف پیروی کا دعویٰ ہی نہیں کرنا بلکہ یہ جو دنیاوی رشتے ہیں، والدین اور بچے، ان سب سے زیادہ مَیں تمہارا پیارا بنوں۔ مجھے تم سب سے زیادہ پیار کرنے والے بنو۔ صحابہ نے جن میں بچے بھی تھے بوڑھے بھی تھے جوان بھی تھے انہوں نے اسی طرح قربانیاں دی ہیں اور اسی طرح پیار کیا ہے۔ بچوں نے اپنے والدین کو چھوڑنا گوارا کر لیا مگر آپ کا در نہ چھوڑا۔ پس آج ہمیں بھی وہی مثالیں قائم کرنی ہیں، انشاء اللہ۔ جس طرح آپؐ نے فرمایا، جو (دین حق) کی تعلیم ہے، اس کو ماننا ہے، اس پر عمل کرنا ہے اور دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کرنی۔ آپؐ کے لئے جو غیرت اور محبت اور عشق ہمارے دلوں میں ہونا چاہیے اس کے مقابلے میں ہر دوسری چیز اور ہر دوسرا رشتہ اور ہر قسم کی غیرت جو بھی ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی غیرت تھی کہ آپ معمولی سی زیادتی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کو ایسی باتیں سن کر جس قدر غم اور تکلیف پہنچتی تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ آپ ایسے شخص کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی نازیبا بات کی ہو۔ اور جب عیسائی مشنریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بعض بہتان گھڑے اس زمانے میں تو آپ کی انتہائی کرب اور تکلیف کی کیفیت ہوتی تھی۔

آپ خود بھی اس کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ: "عیسائی مشنریوں نے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے شمار بہتان گھڑے ہیں۔ اور اپنے اس دجل کے ذریعے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے دل کو کسی چیز نے کبھی اتنا دکھ نہیں پہنچایا جتنا کہ ان لوگوں کے اس ہنسی ٹھٹھے نے پہنچایا ہے جو وہ ہمارے رسول پاک کی شان میں کرتے رہتے ہیں ان کے دلآزار طعن و تشنیع نے جو وہ حضرت خیر البشر کی ذات والا صفات کے خلاف کرتے ہیں میرے دل کو سخت زخمی کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد، اور اولادوں کی اولاد اور میرے سارے دوست اور میرے سارے معاون و مددگار میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے جائیں اور خود میرے اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور میری آنکھ کی پتلی نکال پھینکی جائے اور میں اپنی تمام مرادوں سے محروم کر دیا جاؤں اور اپنی تمام خوشیوں اور تمام آسائشوں کو کھو بیٹھوں تو ان ساری باتوں کے

مقابل پر بھی میرے لئے یہ صدمہ زیادہ بھاری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ناپاک حملے کئے جائیں۔ پس اے میرے آسمانی آقا! تو ہم پر اپنی رحمت اور نصرت کی نظر فرما اور ہمیں اس ابتلا سے نجات بخش''۔(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد۵ صفحہ۱۵)
(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۴ تا ۳۰ دسمبر ۲۰۰۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۰ ردسمبر ۲۰۰۴ء میں فرماتے ہیں:۔
''......پس یہ ہے وہ غیرت جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تھی اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت اور آپ کی محبت کے وہ معیار ہیں جو آپ اپنی جماعت کے ہر فرد میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور اس تعلیم کا ہی اثر ہے کہ یہ محبت جماعت کے دلوں میں پیدا ہوئی اور پھر جماعت اس محبت کے زیر اثر ہی آج دنیا کے کونے کونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچانے کے لئے کوشاں ہے اور آج دنیا کے کونے کونے میں اس غیرت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جماعت کے ذریعہ پہنچایا جا رہا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ پہنچایا جاتا رہے گا۔ یہ پیغام پہنچانے کے طریق اور دنیا کو چیلنج دینے کی جرأت جیسے کہ مَیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے''۔
(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۴ تا ۳۰ دسمبر ۲۰۰۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۳۱ ردسمبر ۲۰۰۴ء کو بیت السلام فرانس کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔
''پھر دنیا میں ہر جگہ جماعتی عہدیداروں کی ایک یہ بھی ذمہ داری ہے کہ (مربیان) یا جتنے واقفین زندگی ہیں ان کا ادب اور احترام اپنے دل میں بھی پیدا کیا جائے اور لوگوں کے دلوں میں بھی۔ ان کی عزت کرنا اور کروانا، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، حسب گنجائش اور توفیق ان کے لئے سہولتیں مہیا کرنا، یہ جماعت کا اور عہدیداران کا کام ہے تاکہ ان کے کام میں یکسوئی رہے۔ وہ اپنے کام کو بہتر طریقے سے کر سکیں۔ وہ بغیر کسی پریشانی کے اپنے فرائض کی ادائیگی کر سکیں۔ اگر مربیان کو عزت کا مقام نہیں دیں گے تو آئندہ نسلوں میں پھر آپ کو واقفین زندگی اور مربیان تلاش کرنے بھی مشکل ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ واقفین نو کی تحریک کے تحت بہت سے واقفین نو بچے وقف کے میدان میں آرہے ہیں۔ لیکن جتنا جائزہ مَیں نے لیا ہے۔ میرے خیال میں جتنے (مربیان) کی ضرورت ہے اتنے اس میدان میں نہیں رہے دوسری فیلڈز (Fields) میں جارہے ہیں۔ بہرحال جب مربی کو مقام دیا جائے گا، گھروں میں ان کا نام عزت و احترام سے لیا جائے گا، ان کی خدمات کو سراہا جائے گا تو یقیناً ان ذکروں سے گھر میں بچوں میں بھی شوق پیدا ہوگا کہ ہم وقف کر کے مربی بنیں۔ تو اس لحاظ سے بھی عہدیداران کو خیال کرنا چاہیے۔ چھوٹے موٹے اختلافات کو ایشو (Issue) نہیں بنا لینا چاہیے جس سے دونوں طرف بے چینی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

لیکن واقفین زندگی اور مربیان سے بھی مَیں یہ کہتا ہوں کہ دنیا چاہے آپ کے مقام کو سمجھے یا نہ سمجھے لیکن اللہ کی راہ میں قربانی کا جو آپ نے عہد کیا ہے اور پھر اس کو نیک نیتی سے خدا کی خاطر نبھا رہے ہیں تو دنیا کے لوگوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔ چاہے اپنوں کے چرکے ہوں یا غیروں کے چرکے ہوں جو بھی لگتے ہیں ان پر خدا کے آگے جھکیں۔ آپ جماعتی نظام میں تعلیم و تربیت کے

لئے ، دنیا کو (دین حق) کا پیغام پہنچانے کے لئے ،خلیفہ وقت کے نمائندے ہیں۔ یہ آپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔خلیفہ وقت نے بہت سی ایسی باتوں پر آپ پر انحصار کیا ہوتا ہے جن پر بعض فیصلے ہوتے ہیں۔اس لئے اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ہر دنیاوی اونچ نیچ کو دل سے نکال دیں اور یکسوئی سے وہ کام سرانجام دیں جو آپ کے سپرد کئے گئے ہیں۔اگر خدا تعالیٰ کی خاطر یہ چر کے برداشت کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کی سہولت کے لئے سامان بھی پیدا فرماتا رہے گا۔ ذہنی کوفت کو دور کرنے کے لئے سامان بھی فرماتا رہے گا۔مربیان کے گھروں میں بھی عہدیداروں کے رویوں کے متعلق بچوں کے سامنے بھی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔اپنی بیویوں کو بھی سمجھائیں کہ واقف زندگی کی بیوی بھی وقف زندگی کی طرح ہی ہوتی ہے یا ہونی چاہیے یا یہ سوچ رکھنی چاہیے۔اس لئے ہر بات صبر اور حوصلے سے برداشت کرنی ہے۔اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑانا ہے،اس کے حضور جھکنا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا''۔(الفضل انٹرنیشنل ۱۴رجنوری تا ۲۰رجنوری ۲۰۰۵ء)

فرمایا:''پھر عہدیداروں میں جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر اپنے خلاف ہی شکایت ہو تو سننے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ہمیشہ سچی بات کہنے سننے کرنے کی عادت ڈالیں۔چاہے جتنا بھی کوئی عزیز یا قریبی دوست ہو اگر اس کی صحیح شکایت پہنچتی ہے تو اس کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے۔اگر یہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ معذرت کر دیں کہ فلاں وجہ سے مَیں اس کام سے معذرت چاہتا ہوں۔کیونکہ کسی ایک شخص کا کسی خدمت سے محروم ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ پوری جماعت میں یا جماعت کے ایک حصے میں بے چینی پیدا کی جائے۔یاد رکھیں جو عہدہ بھی ملا ہے چاہے وہ جماعتی عہدہ ہو یا ذیلی تنظیموں کا عہدہ ہو اس کو ایک فضل الٰہی سمجھیں۔پہلے بھی بتا آیا ہوں اس کو اپنا حق نہ سمجھیں۔یہ خدمت کا موقع ملا ہے تو حکم یہی ہے کہ جو لیڈر بنایا گیا ہے وہ قوم کا خادم بن کر خدمت کرے۔صرف منہ سے کہنے کی حد تک نہیں۔چار آدمی کھڑے ہوں تو کہہ دیا جی میں تو خادم ہوں بلکہ عملاً ہر بات سے ہر فعل سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ یہ واقعی خدمت کرنے والے ہیں اور اگر اس نظریے سے بات نہیں کہہ رہے تو یقیناً پوچھے جائیں گے۔جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔اس کو پوری طرح ادا نہ کرنے کی وجہ سے یقیناً جواب طلبی ہوگی''۔(الفضل انٹرنیشنل ۱۴رجنوری تا ۲۰رجنوری ۲۰۰۵ء)

فرمایا:''یہ اللہ تعالیٰ کا جماعت احمدیہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بعد نظام خلافت جماعت میں جاری فرمایا اور اس نظام خلافت کے گرد جماعت کا محلّہ کی سطح یا کسی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے لے کر شہری اور ملکی سطح تک کا نظام گھومتا ہے۔یعنی کسی چھوٹی سے چھوٹی جماعت کے صدر سے لے کر ملکی امیر تک کا بلاواسطہ یا بالواسطہ خلیفہ وقت سے رابطہ ہوتا ہے۔پھر ہر شخص انفرادی طور پر بھی رابطہ کر سکتا ہے۔ہر فرد جماعت خلیفۂ وقت سے رابطہ رکھتا ہے۔لیکن اگر کسی جماعتی عہدیدار سے کوئی شکوہ ہو یا شکایت ہو اور خلیفہ وقت تک پہنچانی ہو تو ہر ایک کے انفرادی رابطے کے باوجود اس کو یہ شکایت امیر کے ذریعے ہی پہنچانی چاہیے اور امیر ملک کا کام ہے کہ چاہے اس کے خلاف ہی شکایت ہو وہ اسے آگے پہنچائے اور اگر کسی وضاحت کی ضرورت ہے تو وضاحت کر دے تا کہ مزید خط و کتابت میں وقت ضائع نہ ہو۔لیکن شکایت کرنے والے کا بھی کام ہے کہ اپنی کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے کسی عہدیدار کے خلاف شکایت کرتے ہوئے اسے جماعتی رنگ نہ دے۔تقویٰ سے کام

لینا چاہیے۔ بعض دفعہ بعض کم علم یا جن میں دنیا کی مادیت نے اپنا اثر ڈالا ہوتا ہے ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو جماعت کے وقار اور روایات کے خلاف ہوتی ہیں اس لئے ایسے کمزوروں یا کم علم رکھنے والوں کو سمجھانے کے لئے مَیں یہ بتا رہا ہوں کہ ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے''۔ (الفضل انٹرنیشنل ۱۴؍جنوری تا ۲۰؍جنوری ۲۰۰۵ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۷؍جنوری ۲۰۰۵ء بیت بشارت، پیدروآباد سپین کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

''گذشتہ دنوں میں جب انگلستان کی (بیوت) اور پھر تحریک جدید کے بزرگوں کے پرانے کھاتے کھولنے کی میں نے تحریک کی تھی تو احمدی خواتین نے بھی اپنے زیور پیش کئے۔ اور بعض بڑے بڑے قیمتی سیٹ پیش کئے کہ یہ ہمارے زیوروں میں سے بہترین ہیں۔ تو یہ ہے احمدی کا اخلاص۔ اس حکم پر عمل کر رہے ہیں کہ. لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبّون۔ (آل عمران: ۹۳) جو سب سے پسندیدہ چیزیں ہیں وہ ہی پیش کی جارہی ہیں۔ تو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی یہ ایمان ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ جماعت میں اخلاص کی کمی ہے۔ ہاں یاد دہانی کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ کرواتے رہنا چاہیے۔ اس کا حکم بھی ہے''۔

(الفضل انٹرنیشنل ۲۱؍جنوری تا ۲۷؍جنوری ۲۰۰۵ء)

فرمایا: ''جماعتی طور پر بھی اگر دیکھیں تو بڑی بڑی رقمیں چندوں میں دینے والے تو چند ایک ہی ہوتے ہیں۔ اول تو اگر دنیا کی امارت کا آج کا معیار لیا جائے تو جماعت میں اتنے امیر ہیں ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی جو زیادہ بہتر حالت میں ہیں وہ چند ایک ہی ہوتے ہیں۔ اور اکثر جماعت کے افراد کی تعداد درمیانے یا اوسط درجے بلکہ اس سے بھی کم سے تعلق رکھتی ہے۔ تو ایسے لوگوں کی جو معمولی سی قربانی کی کوشش ہوتی ہے وہ جماعتی اموال کو اتنا پانی لگا دیتی ہے کہ اس سے نمی پہنچ جائے جتنا شبنم کے قطرے سے پودے کو پانی ملتا ہے۔ لیکن کیونکہ یہ رقم نیک نیتی سے دی گئی ہوتی ہے اس لئے اس میں اتنی برکت پڑتی ہے جو دنیا دار تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جماعت کی معمولی سی کوشش، کاوش ایسے حیرت انگیز نتیجے ظاہر کرتی ہے جو ایک بے دین اور دنیا دار کی سینکڑوں سے زیادہ کوشش سے بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ صرف اس لئے کہ غیر مومنوں کے اعمال کی زمین پتھریلی ہے۔ اور ایک مومن کے دل کی زمین زرخیز اور تقویٰ کے اونچے معیاروں پر قائم ہے۔ اور اس تقویٰ کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان قربانی کرنے والوں کو انفرادی طور پر بھی نوازتا ہے اور جماعتی طور پر بھی ان کی جیب سے نکلے ہوئے تھوڑی سی رقم کے چندے میں بھی بے انتہا برکت پڑتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تو تمہارے دل پہ بھی نظر ہے اور تمہاری گنجائش پر بھی نظر ہے۔ وہ جب تمہاری قربانی کے معیار دیکھتا ہے تو اپنے وعدوں کے مطابق اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور ان کے پھل کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اور یہی جماعت کے پیسے میں برکت کا راز ہے۔ جس کی مخالفین کو کبھی سمجھ نہیں آسکتی۔ کیونکہ ان کے دل چٹیل چٹانوں کی طرح ہیں۔ پتھروں کی طرح ہیں جن میں نہ زیادہ بارش نہ کم بارش برکت ڈالتی ہے۔ برکت ان میں پڑ ہی نہیں سکتی۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کا ہی خاصہ ہے اور آج دنیا میں اس سوچ کے ساتھ قربانی کرنے والی سوائے جماعت احمدیہ کے اور کوئی نہیں اور یقیناً یہی لوگ قابل رشک ہیں۔ اور اللہ کے رسولؐ نے ایسے ہی لوگوں پر رشک کیا ہے''۔ (الفضل انٹرنیشنل ۲۱؍جنوری تا ۲۷ جنوری ۲۰۰۵ء)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(حضرت میر محمد اسحاق صاحب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سات آدمیوں کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کہیں پناہ کی جگہ نہ ہوگی۔ (ایک تو) انصاف کرنے والا حاکم (دوسرے) وہ جوان جو کہ جوانی کی امنگوں میں بھی عبادت خدا میں مشغول رہا۔ (تیسرے) وہ جس کا دل مسجد میں لگا ہے (چوتھے) وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لئے زندگی بھر دوستی رکھی۔ اور اسی حالت پر مرے (پانچویں) وہ مرد جس کو ایک مرتبہ والی خوبصورت عورت نے (بڑے کام کے لئے) بلایا تو اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (چھٹے) وہ مرد جس نے اللہ کی راہ میں ایسے چھپا کر صدقہ دیا کہ داہنے ہاتھ سے جو کچھ دیا بائیں ہاتھ تک کو پتہ نہ لگ سکا۔ (ساتویں) وہ مرد جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا کہ اس کی آنکھیں بہہ نکلیں یعنی رو دیا۔

(بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش ٦٨٠٦)

تشریح: یہ حدیث ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اس حدیث کی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے گورنمنٹ اعلان کرتی ہے کہ فلاں فلاں آسامیوں کو پُر کرنے کے لئے قابل آدمیوں کی ضرورت ہے اور وہ آدمی جو کہ ان آسامیوں کے لائق ہوتے ہیں ان مراتب پر فائز کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ میں قیامت کے دن ایسے سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ الامام العادل۔ دنیا کا یہ سارا کارخانہ صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات میں اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے سب سے پہلے عدل کا حکم دیا ہے۔ عورتوں، بیواؤں، یتامیٰ، مساکین، ظالم و مظلوم وغیرہ کا جب معاملہ پیش ہو تو جو شخص عدل و انصاف کو قائم رکھتا ہے وہ بہ فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائے گا۔ عام و خاص امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ ایک کافر بھی اگر عدل و انصاف سے کام لے تو اُسے اس کا بدلہ ملے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے فخر ہے کہ میں نوشیرواں کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ جو کہ عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے کچھ مرید ایرانیوں کی ہجو کر رہے تھے تو خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو الہاماً فرمایا کہ اپنے آدمیوں کو منع کر دو۔ ایرانی اگرچہ کافر ہیں۔ لیکن ان میں عدل و انصاف کا مادہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں عدل و انصاف کو برقرار رکھے اور ایسا کرنے والا قیامت کے دن ان سات آدمیوں میں سے ہوگا جو کہ خدا کے عرش کے سایہ میں جگہ

پائیں گے۔

(۲) دوسرے وہ شخص جو کہ عالم نوجوانی میں خدا کی عبادت کرے۔ مذہب اسلام کی ایسی کامل تعلیمات ہیں جن کو دیکھ کر صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہی مذہب حقیقی طور سے کامل ہے۔ اس کے کسی حکم میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ برہمو سماج نے عمر کے تین دور مقرر کئے ہیں۔ کچھ حصہ تو نوجوانی میں بسر کر دیا جائے اور کچھ حصہ کاروبار کی صورت میں اور آخری عمر میں جبکہ انسان ضعف قوت کی وجہ سے لاچار و معذور ہوتا ہے خدا کی عبادت کی طرف متوجہ ہو۔ جس شخص نے نوجوانی کی حالت میں خدا کی عبادت نہیں کی جب کہ اس کے قویٰ اس لائق تھے۔ کہ وہ دن میں بھی عبادت کر سکتا۔ اور رات کو اٹھ کر بھی خدا کے حضور جھک سکتا۔ تو وہ بوڑھا ہو کر حق عبادت کس طرح کما حقہ ادا کر سکتا ہے۔ پس مذہب اسلام کی فوقیت کا یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ اس نے عبادت کے لئے انسان کو شروع سے ہی ہدایت دی۔ دنیا میں دیکھ لو۔ ملازمت ملے گی تو نوجوان کو اگر کوئی شخص سیاست میں حصہ لے سکتا ہے تو نوجوانی میں۔

(۳) تیسرے وہ شخص بھی قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائے گا۔ جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے یعنی وہ خیال کرے کہ نماز کا وقت ہوا نہیں۔ اور جب اذان سنے جھٹ مسجد میں پہنچ جائے۔ لوگ گورنر وغیرہ کے دربار میں شامل ہونا فخر سمجھتے ہیں۔ اور وہاں تک رسائی پانے کے لئے درخواستیں دیتے ہیں اور جس روز دربار منعقد ہونا ہو۔ تو گھنٹوں پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اور اِسے لوگوں کے سامنے فخریہ بیان کرتے ہیں۔ تو کیا یہ امر ہمارے لئے باعث فخر نہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے دربار میں پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں۔

(۴) وہ دو شخص جو صرف خدا کے لئے محبت کریں ان دونوں میں جو بھی کارروائی ہو۔ وہ صرف خدا کو خوش کرنے والی ہو اپنے نفس کے متعلق کوئی خیال ان دونوں کے دلوں میں نہ آوے۔ تو ایسے شخص بھی قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائیں گے۔

(۵) وہ شخص جس کو ایک حسین و جمیل عورت فعل بد کے لئے بلاتی ہے۔ تو وہ شخص یہ کہہ کر انکار کر دے۔ **انی اخاف اللہ**۔ یعنی میں باز آیا اس فعل شنیع سے کیونکہ مجھ میں خوف خدا ہے۔ مَیں خدا کے عتاب و عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے جو کہ صرف خدا کی ذات پر امید رکھتے ہوئے اور اسی سے خوف کھاتے ہوئے پاس کیا جا سکتا ہے۔ اس شخص کے اس عمل کا یہ نتیجہ ہوگا کہ خدا قیامت کے دن اسے بھی اپنے سایہ میں جگہ دے دے گا۔

(۶) وہ شخص جو کہ صدقہ و خیرات چھپا کر کرے۔ یعنی کسی کو خبر تک نہ ہو۔ اسلام میں صدقہ و خیرات کا حکم سراً و علانیہ دونوں طرح ہے۔ علانیہ اس لئے کہ اس کو دیکھ کر دوسروں کو تحریک ہو۔ اس حدیث میں صدقہ و خیرات چھپا کر دینے کا بڑا درجہ بیان کیا گیا ہے۔

(۷) وہ شخص جو کہ عالم تنہائی میں خدا تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کے احسانات وانعامات کو یاد کرے۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں آنسو بہادیں۔ خدا کے سایہ میں ہوگا۔ ایک شخص ایک دردانگیز وعظ سنتا ہے۔ اور وہ مجلس میں ہی اس وعظ سے متاثر ہو کر رونے لگتا ہے۔ یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے۔ لیکن بڑی خوبی یہ ہے کہ انسان تنہائی میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرے اور غور کرے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے مستقیم القامت انسان بنایا۔ میرے جیسے ہی آدم کے کئی ایسے بیٹے ہیں جو کہ کبڑے ہیں پھر وہ غور کرے کہ خدا نے مجھے پیر صحیح سلامت دیئے۔ ہزاروں ایسے ہیں جن کے پیر ہی نہیں ایک دفعہ سعدی شیرازی خدا تعالیٰ کے حضور شکوہ کرر ہے تھے کہ میرے پاس جوتی نہیں۔ اسی وقت ان کے سامنے ایک لُولا آدمی گزرا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں تو ننگے پیروں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حضور شاکی ہوں۔ اس کے تو پیر بھی نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میں اسی وقت شکوہ سے باز آیا۔

کئی لوگ ہر وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ ہم کس قدر غریب ہیں کہ گزارہ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں۔ تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان سے بھی غریب تر لوگ دنیا میں آباد ہیں۔ ایک اصول دوستوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ دین اور خوبی کا جب معاملہ ہو تو اپنے سے اعلیٰ آدمی کے نقش قدم پر چلو اور جب دنیا کا معاملہ ہو تو ہمیشہ اپنے سے کم درجہ کو دیکھو۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا ملاحظہ کرو۔ کیا اس انسان کے لئے جو ہر وقت اپنی غربت کا رونا روتا رہتا ہے۔ باعث شکر نہیں کہ خدا نے اسے انسانی شکل میں پیدا کیا خدا تعالیٰ چاہتا تو کتے کی شکل میں پیدا کر سکتا تھا۔ پس اگر اس نے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سایہ میں جگہ پانی ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تنہائی میں خدا تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرے اور اپنے سے کم حیثیت اور کم درجہ کے لوگوں کے حالات کو دیکھے کہ وہ بھی تو مخلوق خدا ہیں۔ اور ان کی حالت مجھ سے کم درجہ پر ہے۔ اور وہ بھی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللھم صل علی محمد و بارک وسلم۔ انک حمید مجید۔

(روزنامہ الفضل ۳ رفروری ۱۹۴۳ء)

ф ф ф ф ф ф ф ф ф ф

اعلان ولادت

مکرم اقبال احمد زبیر صاحب کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ 4 مارچ 2005ء کو دوسرے بیٹے سے نوازا ہے۔ نومولود مکرم کنور مطلوب احمد صاحب کا پوتا اور مکرم چوہدری بشارت احمد صاحب بقاپوری کا نواسہ ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت بچے کا نام ''ابتسام احمد زبیر'' عطا فرمایا ہے۔

احباب سے بچہ کے خادم دین ہونے اور دینی و دنیاوی ترقیات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

مکرم اقبال احمد زبیر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے کمپیوٹر سیکشن میں خدمات بجالا رہے ہیں۔

حضرت حکیم مولوی شیر محمد صاحب آف ہجن

(مکرم غلام مصباح بلوچ صاحب)

سرزمین بھیرہ اوراس کے گردونواح نے بڑے گراں مایہ وجود حضرت مسیح الزماں کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ایسے گراں قدر وجودوں میں ایک نام ''حضرت حکیم مولوی شیر محمد صاحب'' کا بھی ہے۔

حضرت حکیم شیر محمد صاحب آف ہجن ضلع سرگودھا ''رانجھا'' قوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش خاندان کی ایک شاخ ہے۔ آپ کے والد کا نام محترم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب تھا۔آپ حضرت مولوی شیر علی صاحب کے رشتے میں حقیقی چچا تھے۔ آپ کے بڑے بھائی (والد حضرت شیر علی صاحب) کا نام حضرت مولوی نظام الدین صاحب تھا۔آپ ایک علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور مدت دراز سے آپ کے بزرگوں میں علوم کا چرچا رہا اور یکے بعد دیگرے دینی علوم کے جاننے والے پیدا ہوتے چلے آئے چنانچہ حضرت حکیم شیر محمد صاحب اور آپ کے بڑے بھائی حضرت مولوی نظام الدین صاحب اپنے وقت کے جید اور معتبر عالم تھے۔ آپ عربی و فارسی کے عالم ہونے کے علاوہ بلند پایہ کے حکیم تھے اور اپنے علاقہ میں جانے پہچانے اور بے حد محترم تھے۔

(نجم الھدیٰ مرتبہ رقیہ بیگم صاحبہ)

آپ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور انہی کے فیوض و برکات کے زیراثر احمدیت کی قبولیت کا شرف پایا۔ چنانچہ حضرت مولوی شیر علی صاحب کے خاندان میں قبول احمدیت کی داغ بیل ڈالنے والے حضرت حکیم شیر محمد صاحب ہی تھے۔ آپ نے ۷/ستمبر ۱۸۸۹ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی، رجسٹر بیعت اولیٰ میں آپ کا نام ۱۲۴ویں نمبر پر اس طرح درج ہے۔

مولوی شیر محمد ولد میاں غلام مصطفیٰ زمیندار ساکن موضع ہجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور......

اس کے ساتھ آپ کا پیشہ طبابت وزمینداری لکھا ہے۔

آپ جیسی ذی علم ہستی کا امام الزماں کے دامن بیعت میں آنا تھا کہ خدا تعالیٰ کے خاص احسان سے عقیدت و اخلاص کے تعلق میں ایک عجیب طرز پر رنگین ہوئے اور چند سال میں ہی اخلاص کی سرگرمی اور مریدانہ محبت کی نورانیت میں خاطر خواہ ترقی کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''فتح (......)'' جو ۱۸۹۰ء کے آخر میں لکھی گئی میں فرمایا کہ:

''......ایسے بھی بہت ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے مجھے دیا ہے اور وہ میرے درخت وجود کی سرسبز شاخیں ہیں اور میں انشاءاللہ کسی دوسرے وقت میں اُن کا تذکرہ لکھوں گا''۔

(فتح (......)، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۰)

چنانچہ اگلے سال آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ازالہ اوہام'' تصنیف فرمائی جس میں آپ نے اپنے مخلص مبایعین کا بھی ذکر فرمایا۔آپ ان مخلصین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''یہ سب صاحب علیٰ حسب مراتب اس عاجز کے مخلص دوست ہیں۔بعض ان میں سے اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اسی اخلاص کے موافق جو اس عاجز کے مخلص دوستوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جداگانہ ان کے مخلصانہ حالات لکھتا......''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۵۴۵)

حضور علیہ السلام نے ان ذکر کردہ اسماء مبایعین میں حضرت مولوی صاحب کو بھی شمار کیا ہے:

حبی فی اللہ مولوی شیر محمد صاحب ھجنی

آپ کے خاندان کے ایک اور (رفیق) حضرت منشی تصدق حسین صاحب ولد منشی غلام نبی صاحب مرحوم (بیعت ۱۸۹۲ء بمقام سیالکوٹ) حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہونے اور بیعت کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"......مولوی عبدالکریم صاحب مجلس میں سے اٹھ کر میری جانب تشریف لائے وہ مجھ کو نہ پہچان سکے لیکن میں نے اپنی پہچان خود کرائی اور بتایا کہ میں شیر محمد صاحب احمدی از ہجن کا بھتیجا ہوں اس پر جناب مولوی صاحب میری درخواست کے ماتحت حضرت اقدس کے سامنے مجھے لے گئے اور میں نے آپ کے سامنے قبلہ رخ بیٹھ کر مصافحہ کیا مولوی صاحب نے عرض کی کہ یہ بھائی شیر محمد صاحب سکنہ ہجن ضلع شاہ پور کے بھتیجے ہیں اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ شیر محمد صاحب کو جانتے ہیں۔ جناب مولوی صاحب نے فرمایا حضور جانتا ہوں۔فرمایا "وہ بہت نیک اور صالح آدمی ہیں" اس کو دو دفعہ کہا اور پھر تقریر شروع فرمائی......"

(الحکم ۷ تا ۲۸ رجون ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ کالم ۱،۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مریدین میں حضور علیہ السلام کی ذات کے لئے جو عشق و محبت کا مادہ رکھا تھا اس میں سے آپ نے بھی قابل داد حصہ پایا تھا۔ آپ حضور علیہ السلام کے لئے بے پناہ محبت اور غیرت رکھتے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں:-

"......کہ ان کے چچا چوہدری شیر محمد صاحب مرحوم ان سے بیان کرتے تھے کہ جب حضرت صاحب دہلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں کی جامع مسجد میں مولوی نذیر حسین صاحب کے ساتھ مباحثہ کی تجویز ہوئی تھی (ستمبر ۱۸۹۱ء میں) تو اس وقت میں بھی حضرت صاحب کے ساتھ تھا چونکہ شہر میں مخالفت کا خطرناک زور تھا اور حضرت صاحب کے اہل و عیال بھی سفر میں تھے اس لئے حضرت صاحب مباحثہ کی طرف جاتے ہوئے مکان کی حفاظت کے لئے مجھے ٹھہرا گئے تھے۔ چنانچہ آپ کی واپسی تک میں نے مکان کا پہرہ دیا اور میں نے دل میں پختہ عہد کر لیا تھا کہ میں اپنی جان دے دوں گا لیکن کسی کو مکان کی طرف رخ نہیں کرنے دوں گا"۔

(سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۶ روایت نمبر ۳۷۱ مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

دعوۃ الی اللہ کا شوق

حضرت حکیم شیر محمد صاحب دینی علوم پر کافی حد تک دسترس رکھتے تھے اور پھر اس علمی نور کو پھیلانے میں بھی کوشاں رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی بیعت کے بعد حضور کے لائے ہوئے آسمانی نور کو پھیلانے میں بہت تگ و دو کی۔ آپ دعوۃ الی اللہ کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ اپنے بڑے بھائی حضرت مولوی نظام الدین صاحب کو پیغام حق پہنچانے اور احمدیت کے مسائل علمی رنگ میں سمجھانے کی پوری کوشش کی چونکہ دونوں بھائی جید عالم تھے اس لئے "ادرھماں" گاؤں کی بیت میں اکٹھے بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا کرتے اور یہ گفتگو اتنا طول کھینچ جاتی کہ صبح سے شام تک مختلف مسائل زیر بحث آتے۔ الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا جاتا دونوں طرف سے کتابوں کا انبار لگ جاتا۔ جب ایک مسئلہ پر پوری تسلی اور اطمینان ہو جاتا پھر دوسرا مسئلہ لیا جاتا۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب بھی اپنے والد ماجد کو پیغام حق پہنچانے میں آپ کے ہم آہنگ ہوتے۔

بالآخر حضرت مولوی نظام الدین صاحب بھی حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہو گئے۔ پھر آپ تینوں کی مخلصانہ کوششوں اور پرسوز دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے شیریں پھل عطا کیے اور ''ادرھماں'' گاؤں میں ایک نہایت ہی مضبوط اور قربانی کرنے والی جماعت قائم ہوئی یہ گاؤں آج تک احمدی گاؤں کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

ایک دفعہ موضع چادہ (متصل بھیرہ) میں جہاں مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی نہر کے پٹواری تھے۔ حکیم صاحب موصوف اپنی زمین دیکھنے کے سلسلہ میں گئے اور بوتالوی صاحب کو دعوۃ الی اللہ کے شوق کے نشہ میں چُور ہو کر احمدیت کے مسائل نہایت عمدگی سے سمجھانے لگے (حکیم صاحب کو یہ علم نہیں تھا کہ مولوی بوتالوی صاحب احمدی ہیں) جب واپس جانے لگے تو مولوی صاحب ان کی مشایعت کے لئے چند قدم آگے تک گئے اور اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ میں تو خدا کے فضل سے پہلے ہی احمدی ہوں آپ کی دعوۃ الی اللہ کے دوران میں اس لئے چپ رہا تاکہ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے اور آپ کے خاص رنگ سے خدا ان کے سینوں کو کھول دے۔ اس پر حکیم صاحب بے حد خوش ہوئے اور مولوی صاحب سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوئے۔

(سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحب صفحہ ۳۲۔ مرتبہ ملک نذیر احمد ریاض)

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تحریرات میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ کتاب ازالہ اوہام کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حضور کی کتاب ''آریہ دھرم'' میں حضور کا گورنمنٹ کے نام ایک اشتہار (ستمبر ۱۸۹۵ء) درج ہے جس میں ۷۰۰/ افراد کے نام درج ہیں بھیرہ ضلع شاہ پور کے ذیل میں حضرت حکیم صاحب کا نام موجود ہے۔ (روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۸۹)

جون ۱۸۹۷ء میں قادیان میں ڈائمنڈ جوبلی منائی گئی اور ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا حضرت حکیم صاحب خود تو جلسہ میں نہ حاضر ہو سکے لیکن جلسہ کے لئے چندہ ادا کیا حضور علیہ السلام نے ازراہ شفقت آپ کا نام بھی فہرست میں شامل کیا ہے اور آپ کا نام ۲۹۷ نمبر پر موجود ہے۔

(جلسہ احباب، روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۲)

اور آپ کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے آپ کا نام اپنے ۳۱۳ کبار (رفقاء) کی فہرست میں شامل فرمایا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو پورا کرتی ہے اور حضور علیہ السلام نے ان (رفقاء) کے متعلق فرمایا:۔

''یہ تمام (رفقاء) خصلت صدق و صفا رکھتے ہیں اور حسب مراتب جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رضا کی راہوں میں ثابت قدم کرے اور وہ یہ ہیں......''

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۵)

۲۱۹۔ مولوی شیر محمد صاحب ہجن۔ شاہ پور

وفات

حضرت مولوی شیر محمد صاحب نے قریباً ۵۰ سال کی عمر میں ۱۹۰۴ء میں وفات پائی۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء کو حضور علیہ السلام نے وفات پا جانے والے چند رفقاء کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:

''منشی جلال الدین بھی بڑے مخلص تھے اور ان کے ہم نام پیر کوٹ والے بھی دونوں میں سے ہم کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ سال گذشتہ میں ہمارے کئی دوست جدا ہو گئے مولوی جمال الدین سید والہ بھی، مولوی شیر محمد ہجن والے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ میں کوئی مصالح رکھے ہوں گے اس سال میں حزن کے معاملات دیکھنے پڑے''۔

(الحکم ۷ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳)

آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے اخبار البدر نے لکھا:۔

''مولوی صاحب موصوف موضع ہجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے جب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ تصنیف کی تو اس کتاب کو پڑھنے کے بعد حضرت اقدس کے ارادتمندوں اور بہت آمدورفت رکھنے والوں میں سے ایک یہ بھی تھے اور اول مرتبہ جب آپ دہلی تشریف لے گئے تو یہ بھی ہمراہ تھے آپ کے پرانے خادموں میں سے تھے حضرت اقدس سے انہیں ایک خاص اُنس و محبت تھی دین کے خادم تھے اور اپنے ضلع میں خدا کے اس سلسلہ کو پھیلانے کا دل میں بہت جوش تھا...... اور کئی آدمیوں نے ان کے ذریعہ بیعت کی اور علاوہ علم و فضل و دینداری اور تقویٰ کے حاذق طبیب ہونے کی وجہ سے اپنے ضلع بھر میں مشہور و معروف تھے اور لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے شاگرد ہونے کا ان کو فخر حاصل تھا اور مولوی صاحب کو بھی ان سے بڑی محبت تھی آخرکار حضرت اقدس کی صداقت کا دم بھرتے ہوئے قریباً پچاس سال کی عمر میں ۱۹۰۴ء بقضائے الٰہی اس جہان سے رخصت ہوئے۔

مولوی صاحب مرحوم کا اخلاص اس سے بھی ظاہر ہے کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری زمین کا نصف حصہ سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے وقف کیا جاوے چنانچہ ان کی بیوہ ہر سال زمین کی پیداوار کی نصف قیمت حضرت اقدس کی خدمت میں بھیج دیا کرتی ہیں ان کی وفات کا بھی عجیب نظارہ تھا وفات تک پورے ہوش میں رہے اور قرآن شریف لے کر وعظ کر رہے تھے اور ابھی انگلی قرآن شریف میں ہی تھی کہ جان دے دی۔ ازالۂ اوہام میں جن مخلصین کا نام حضرت اقدس نے لکھا ہے ان میں ان کا بھی نام ہے سلسلہ کی تائید میں انہوں نے پنجابی زبان میں ایک نہایت مفید نظم تصنیف کی تھی''۔ (البدر ۱۰ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۶)

میرا کچھ کھو گیا سا لگتا ہے

پاس رہ کر جدا سا لگتا ہے
وہ جو موج ہوا سا لگتا ہے

میری گلیوں سے اس کی گلیوں تک
میرا کچھ کھو گیا سا لگتا ہے

ریگ دل پہ ہیں نقش پا کس کے
کون گزرا ہوا سا لگتا ہے

ہے ہواؤں میں آنسوؤں کی نمی
دور وہ رو پڑا سا لگتا ہے

زندگی کو جو غور سے دیکھا
مجھ کو اِک رت جگا سا لگتا ہے

کس کے ہاتھوں کو میں نے دیکھا برہان
مجھ کو سب کچھ حنا سا لگتا ہے

(سید برہان احمد ناصر)

قرآن، Entropy اور فانی کائنات

(ترجمہ: مکرمہ ریحانہ صدیقہ بھٹی صاحبہ ایم ایس سی فزکس)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کتاب .Revelation,Rationality,Knowledge & Truth سے ایک مضمون کے ترجمے کی تلخیص قارئین خالد کے استفادہ کے لئے پیش ہے۔ مدیر

یہ حقیقت واضح طور پر کھل چکی ہے کہ یہ ساری کائنات واپس ایک بلیک ہول میں ڈوب جائیگی جو پھر ایک بگ بینگ کی صورت میں پھٹے گا اور اپنا نگلا ہوا مادہ دوبارہ اگل دے گا۔

اس سے قاری کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ یہ کائنات متواتر وقفہ وقفہ سے نمودار اور غائب ہوتی رہتی ہے اور لافانی ہے۔ اس مضمون میں ہم کائنات سے متعلق لافانیت کی اس غلط فہمی کو دور کریں گے۔

- "Entropy" کیا ہے؟
- کیا کائنات واپس بلیک ہول میں ڈوب جائے گی؟
- "Heat Death" کیا ہے؟
- کیا سائنسدانوں کا ہمیشگی کے متعلق نظریہ (Principle of Entropy) کی دریافت سے قائم ہے یا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے؟
- کیا پروٹان ٹوٹ سکتا ہے؟

آیئے ان تمام باتوں کے لیے اس مضمون کا مطالعہ کریں۔

حسابی اندازوں سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ یہ کائنات جس میں ہم رہ رہے ہیں نہ تو اپنے ماضی کے تعلق میں ہمیشگی رکھتی تھی اور نہ ہی مستقبل میں دوام پذیر ہے۔ اس کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم ایک سائنسی اصطلاح entropy کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ entropy کا صرف یہ مطلب ہے کہ یہ مادی کائنات خواہ وہ جس بھی شکل میں موجود ہو اس کے مادے کا ایک نہایت معمولی حصہ متواتر توانائی کی شکل میں ضائع ہوتا رہتا ہے اور اس ضائع شدہ حصہ کو دوبارہ کبھی بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

تمام موجود اشیاء مخصوص حالات میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ عناصر کی اس باہمی عمل کی سادہ ترین مثال ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مل کر پانی بنانا ہے۔ جب ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی بنتا ہے تو اس عمل کے دوران توانائی کا ایک حصہ ضائع ہوجاتا ہے۔

ایک برتن جو آکسیجن سے بھرا ہوا ہے اس میں اگر ہائیڈروجن کے ذریعے آگ لگائی جائے تو یہ صرف اس وقت تک جلے گی جب تک آکسیجن ختم نہیں ہوجاتی اس عمل میں جو باقی بچے گا وہ پانی ہے۔ جب یہ کیمیائی عمل ہوتا ہے تو توانائی نکلتی ہے۔ پانی کو دوبارہ ہائیڈروجن اور آکسیجن میں تبدیل کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر توانائی کی وہ مقدار جو پانی

بننے کے دوران ضائع ہوگئی تھی دوبارہ مہیا کردی جائے تو پانی اپنے مشتمل عناصر میں دوبارہ تبدیل ہوجائیگا۔

ان تمام صورتوں میں کہیں بھی توانائی کا مستقل زیاں نہیں ہوالہذا entropy کے تعلق میں جو توانائی کا زیاں ملتا ہے یہ وہ صورتیں نہیں ہیں۔ ان تمام باتوں کو اختصار کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تمام کیمیائی عمل خواہ توانائی جذب کریں یا خارج، توانائی کا یہ تبادلہ مستقل طور پر توانائی ضائع نہیں کرتا۔ لیکن توانائی کا ایک زیاں ایسا بھی ہے جو مستقل ہے اور جس میں ضائع ہوئی توانائی دوبارہ حاصل نہیں کی جاسکتی (irreversi-ble) اور اس کا عام کیمیائی عوامل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم سائنسی پیچیدگیوں میں جائیں اور دیکھیں کہ یہ کس طرح ہوتا ہے آپ ایک گرم جسم کو تصور کریں جو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا ہے یہ جسم اردگرد کے درجۂ حرارت تک ٹھنڈا ہوگا اور ایک حالت توازن پر پہنچ جائیگا۔ گرم جسم سے ٹھنڈے ماحول کی طرف حرارت کا یہ بہاؤ لوٹایا نہیں جاسکتا۔ ہمیشہ حرارت ہی ٹھنڈک کی طرف سفر کرتی ہے۔ (لہذا) آخرکار جب کائنات کی تمام حدت ختم ہو جائیگی اور ایک حالت توازن کو حاصل کرلے گی تب مزید کوئی تبادلہ حرارت ممکن نہیں رہے گا اور کوئی کیمیائی عمل تصور نہیں کیا جاسکے گا۔

اس کو سائنسدان کائنات کے 'heat death' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کائنات کی استعمال شدہ توانائی کی مقدار متواتر بڑھ رہی ہے اور (اسی طرح) تمام کائنات کی قابل استعمال توانائی کی مقدار متواتر کم ہو رہی ہے۔ لہذا ایک ایسا وقت آئیگا، خواہ بہت دیر میں آئے، جب تمام کائنات ایک جامد حالت میں ڈوب جائیگی اور اس کو پہلے والی مادی حالت میں دوبارہ تبدیل نہیں کیا جاسکے گا۔ تب نہ تو کوئی عمل ممکن ہوگا اور نہ ہی کوئی ردعمل ہو سکے گا۔ یہ مکمل موت یا فنا کا ایک دوسرا نام ہے۔

توانائی کا یہ نہایت معمولی زیاں ایک قاری کس طرح تصور کرسکتا ہے اور کس طرح یاد رکھ سکتا ہے جبکہ سائنسدان بھی اس کو نہایت پیچیدہ حسابات سے نکالتے ہیں۔ (اور ایک عام آدمی کے لیے) تو کائنات عملی طور پر بالکل وہی ہے جو آج سے بیس بلین سال پہلے تھی۔ ضائع شدہ توانائی کی مقدار کائنات کے اردگرد کے درجہ حرارت سے نکالی جاسکتی ہے جو کہ صرف 4K {۴ کیلون=(269-) سینٹی گریڈ، (مترجم)} ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات میں کوئی معلوم جگہ ایسی نہیں جس کا درجہ حرارت 4K سے کم ہو۔ لہذا جو توانائی اس کم درجہ حرارت کی طرف بہہ جاتی ہے وہ اس کا حصہ بن جاتی ہے اور اسے کبھی بھی دوبارہ بلند درجہ حرارت کی طرف نہیں اٹھایا جا سکتا۔ آپ اس ریاضیاتی بولی (اصطلاح) کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن یہ ضرور یقین کرلیں کہ کائنات متواتر کچھ نہ کچھ حصہ ضائع کر رہی ہے جو دوبارہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو کائنات کے مادے میں دوبارہ واپس نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس کتاب کے لیے entropy کی اتنی وضاحت کافی ہے۔ آیئے اب اس کے لازمی نتیجے کی طرف چلتے ہیں۔ entropy کے مکمل ادراک سے پہلے سائنسدانوں کی اکثریت یہ یقین رکھتی تھی کہ کسی خالق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ زندگی کی تمام اشکال ہمیشہ سے چلی آرہی ہیں۔ اب entropy کی بہتر تفہیم سے سائنسی گروہ کے کچھ نہ کچھ ممبران کی سوچ میں انقلابی تبدیلی ہوئی ہے۔ جبکہ باقی اس مسئلہ کا سامنا کرنے سے اجتناب برت رہے ہیں۔

(اب) ہمیشگی (لافانیت) کو اس کے ماضی اور مستقبل کے لحاظ سے پرکھا جاسکتا ہے۔ سائنسدان پہلے یہ یقین رکھتے تھے کہ مادے کو دوام حاصل ہے اور ان کا یہ یقین مادے کے ماضی اور مستقبل دونوں کے تعلق میں تھا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب ہم پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ہمیں کوئی ایسا لمحہ (مقام) نظر نہیں آئے گا جسے زندگی کی کسی بھی شکل کا نقطۂ آغاز کہا جاسکتا ہو۔ کیونکہ لافانیت کا نہ تو کوئی آغاز ہوتا ہے اور نہ ہی اختتام۔

لہذا سائنسدانوں کا ہمیشگی کے متعلق نظریہ اصول این ٹروپی (Principle of Entropy) کی دریافت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگر کائنات کو کسی حد تک لافانی تصور کرلیا جائے تو بھی یہ کچھ نہ کچھ مادہ entropy کے زیر اثر ضائع کر رہی ہے۔ منطقی طور پر اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ہم سے لامحدود وقت کے فاصلے پر یہ (کائنات) موجود نہیں تھی۔ وقت کے کسی بھی مقام سے ماضی کی طرف مڑ کر دیکھیں تو لافانیت کا کوئی سرا نظر نہیں آتا اور ایسا ہی کسی بھی دوسرے مقام سے محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ لافانیت کا پیچھا کرتے ہوئے ہم کسی ایسے مقام تک نہیں پہنچ سکتے جس سے پرے اس کا وجود نہ ہو۔ اگر آپ تصور میں خود کو ہمیشگی (eternity) کا پیچھا کرتے ہوئے محسوس کریں اور خواہ یہ سفر آپ روشنی کے کندھوں پر سوار ہو کر کریں اور جو کھربوں اور کھربوں اور کھربوں سال پر محیط ہو تو بھی آپ دوسرے کنارے کو نہیں پاسکتے۔ اگر کسی کو کوئی کنارا مل جائے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کسی غلط درخت کی چھال اُتار رہا ہے ---- اور جس چیز کا وہ پیچھا کر رہا ہے وہ لافانیت (eternity) نہیں ہے۔

اب ہم دوبارہ اسی شخص کو تصور کرتے ہیں جو کائنات کی تلاش میں پیچھے کو سفر کر رہا ہے۔ اگر اسے کبھی کوئی (کنارا) مل جائے تو لافانیت اسے اپنے ہاتھوں میں دبوچ لے گی اور اسے دوبارہ ایک (نہ ختم ہونے والے) بے کنار راستے کی طرف دھکیل دے گی۔ اس خیال کو تصور میں لانا بہت مشکل ہے لیکن حقیقت میں اسے سمجھنا بہت سادہ اور آسان ہے۔ اگر کوئی وقت کا ایسا فرضی مسافر کائنات کا کوئی کھوج نکال لے تو اسے خود سے دریافت کرنا چاہیے کہ کائنات کا وجود اب تک گھٹتے گھٹتے کم کیوں نہیں ہو گیا جبکہ ایک عرصہ (entropy) اس کے ساتھ ہے۔ وہ مسافر آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وقت کے اس لمحہ سے بہت (پہلے) entropy کے پاس بہت وقت تھا کہ اسطرح کی بے شمار کائناتوں کو نگل لیتی۔

ایک بہت بڑے عدد کو تصور کریں جو اتنا بڑا ہو کہ ان گنت بڑے steps اس میں سما سکتے ہوں اور اس میں لافانیت کو (بھرنے کی) بیان کرنے کی کوشش کریں۔ وہ عدد یقیناً ختم ہو جائے گا لیکن لافانیت ختم نہیں ہوگی۔ لہذا اگر entropy کو کائنات کے 'ہیٹ ڈیتھ' تک پہنچنے کے لیے کھربوں کی قوت کھربوں سالوں کی بھی ضرورت پڑے تو بھی یہ ناگزیر ہے (کہ وہ کائنات کو اب تک ختم کر دیتی)۔ اب ہم ماضی میں یہ فرضی تعاقب کرنے کی بجائے حال کی طرف آتے ہیں اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کائنات جو آپ کے اردگرد ہے یہ اس وقت کیوں وجود رکھتی ہے؟ کیا اسے اب تک entropy کی وجہ سے ختم نہیں ہو جانا چاہیے تھا اور بے کنار ماضی میں سفر کرنے سے اس کی بہت سی بچی ہوئی معلومات

جاری نہیں رہ سکتی تھیں۔

اس لیے یہاں ایک اور نقطہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ کہ entropy ہے بھی یا نہیں، وہ تھیوریٹیکل سائنسدان جو کبھی یہ یقین رکھتے تھے کہ پروٹان ابدی زندگی رکھتے ہیں وہ بھی اب اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ پروٹان کی عمر کا بھی ایک دورانیہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ یہاں یہ بحث غیر ضروری ہے کہ ان کی عمر 10 raise to the power 32 (or 34) 10 یا 10 سال ہے۔ خواہ ان کی عمر ایک لاکھ کی قوت ایک لاکھ سال ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ کبھی پیدا ہوئے تھے تو لازماً آخر کار وہ ختم بھی ہوں گے۔ اور اگر وہ پیدا نہیں ہوئے تھے ——اور ہمیشہ سے وجود رکھتے ہیں —— تو entropy کے ہاتھوں انھیں ان گنت سال پہلے ہی نیست و نابود ہو جانا چاہیے۔

فنا (بربادی) اور لافانیت (ہمیشگی) ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ہر وہ چیز جو ضائع ہو رہی ہے لازم ہے کہ وہ ختم ہو۔ لیکن دیکھو! اس لمحے ہم جو یہاں ہیں، ہم دونوں، یعنی یہ الفاظ لکھنے والا بھی اور پڑھنے والا بھی، یہ کائنات جس نے ہمیں تخلیق کیا اگر وہ لافانی ہے تو اسے کوئی حق نہیں کہ وقت کے یہ لمحات تمام غیر متحرک وجودوں سمیت ہم سے چھین لے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ الجھ گئے ہوں لیکن یہ حسابی مساوات کا ایک سادہ سا سوال ہے کہ ایک متواتر ضائع ہونے والے جسم کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور وہ دائمی ہے تو وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک ہی راستہ ہمارے پاس رہ جاتا ہے کہ ایک لافانی خالق پر ایمان لائیں جو کہ entropy اور زیاں سے پرے اور بالاتر ہے۔ حیرت انگیز طور پر بالکل یہی اٹل نتیجہ ہم سے دو ہزار چار سو سال پہلے ارسطو نے بھی نکالا تھا۔ یہ آج بھی اسی طرح درست ہے جس طرح کہ اس کے دور میں درست تھا۔

مزید وضاحت کے لیے ہم واپس ایک بگ بینگ کا تصور کرتے ہیں جو ہمیشہ کی طرح ایک کائنات کو نگل لینے کے بعد ایک دوسری کائنات کو پیدا کر رہا ہے۔ جس نقطہ پر زور دیا جا رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر مرتبہ ایک قوی ہیکل بلیک ہول کائنات کو اپنی عمیق گہرائیوں میں کھینچ لیتا ہے۔ لیکن یہ توانائی کی اس مقدار کو نہیں نگل سکتا جو یہ لمحہ آنے سے پہلے ہی entropy کے ذریعے اس گردش میں ضائع ہو گئی تھی۔ اور نہ ہی دھماکہ کے وقت یہ وہ تمام توانائی کائنات کو واپس کر سکتا ہے جو اس نے نگلی ہوتی ہے۔ ناقابل یقین حد تک بڑی طاقتیں (اس لمحے کے افق سے پرے) اس پر کام کر رہی ہوتی ہیں اور entropy کے ذریعے ہونے والے زیاں کی مقدار کو اسی نسبت سے بڑھا رہی ہوتی ہیں۔ لہذا کائنات کی پیدائش کی ہر نئی صبح اس واقعہ کے افق سے جو مادہ نمودار ہوتا ہے وہ یقینی طور پر اس مادہ سے بہت کم ہوتا ہے جو وہ (بلیک ہول) اس سے پہلے نگل چکا ہوتا ہے۔ وہ حصہ جو entropy نے نگل لیا وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً ہر مرتبہ ایک نئے بلیک ہول سے جو نئی کائنات کی پیدائش ہوتی ہے وہ کائنات اپنے سے پہلی کائنات سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اور یہ نظریہ بھی خود کو لامحدود مرتبہ نہیں دوہراتا۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد بالآخر یہ ایسی مقدار تک کم ہو جائے گی کہ بلیک ہول میں گرنے کے لیے اس کے پاس مناسب مقدار میں مادہ موجود نہیں ہوگا۔

(اب سوال یہ ہے کہ) کیا ان حقیر باقیات کو دوام حاصل ہوگا؟ جواب ہے یقیناً نہیں۔ ہر چیز کی باقیات entropy

کے ذریعے سے بالآخر ختم ہو جائیں گی۔ اسی طرح ہوگا کیونکہ اگر کوئی خالق نہیں ہے تو کائنات کی ابتداء کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

اگر ابتداء کا کوئی تصور نہیں ہے تو پھر اسے لافانی ہونا چاہیے۔ لیکن اس سے پہلے ہی اوپر بیان کردہ حقائق اس بات کی مکمل طور پر نفی کر رہے ہیں۔ ہر فانی چیز کا اختتام ہوگا اور وہ ہمیشہ رہنے والی فنا کے بے پیندے کے گڑھے میں غائب ہو جائے گی۔

لیکن اگر یہ سب درست ہے تو وہ چیزیں جو آج موجود ہیں ان کی موجودگی کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آخر ہم کس طرح entropy کے تحت ہاتھوں سے بچ سکتے ہیں اور وہ کس طرح ان حقیر چیزوں کی جان بخشی کر رہی ہے۔ ایک مرتبہ فنا ہو جانے کے بعد نیستی کی بے کراں خلا سے ہم کس طرح مادی شکل میں دوبارہ بن گئے۔ یہی تو ہے وہ لافانی خالق جس کے ہاتھوں کو entropy کبھی چھو نہیں سکتی۔ اس کا وجود ان تمام اشیاء سے جو اس نے پیدا کی ہیں یا آئندہ پیدا کرے گا بالکل مختلف صورت رکھتا ہے۔ وہ لمحہ جب اس نے کسی عنصر کی تخلیق کے متعلق سوچا تو اس نے ان کے لافانی ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ لہٰذا ہم جب بھی بلیک ہولز یا entropy کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم صرف تخلیق کی بات کرتے ہیں نہ کہ خالق کی۔ جو کچھ بھی تخلیق ہوا وہ کبھی بھی خالق نہیں ہو سکتا وہ (خالق) تمام فانی تخلیقات کا موجد اعلیٰ ہے۔

جب آخری بلیک ہول پھٹے گا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ایک نئی کائنات بنائے گا تو یہ واقعہ ایک ''مقید'' ('Shut') کائنات کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے مطابق، کائنات متواتر پھیل رہی ہے لیکن بغیر حد کے نہیں، لیکن ایک وقت آئیگا جب سنٹری فیوگل فورس (Centrifugal Force)، جو کہ کائنات کو دور دھکیل رہی ہے، وہ سنٹری پیٹل (Centripetal) کشش ثقل کے کھچاؤ کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔

وہ سائنسدان جو اس ''مقید'' کائنات کے تصور سے انکار کرتے ہیں وہ ''آزاد'' کائنات کے نظریے پر یقین رکھتے ہیں، جس کے مطابق کائنات کی کمیت (حجم) متواتر پھیل رہا ہے یہاں تک کہ یہ اتنے چھوٹے ذرات میں دور دور بکھر جائیں گے کہ دوبارہ سنٹرل کشش ثقل سے اکٹھے نہیں کئے جا سکیں گے۔ یہ خلا (energy per space unit) سے توانائی کی مقدار ایسے درجہ تک کم کر دے گی کہ نیا بلیک ہول بننا ممکن نہیں ہوگا۔ اگر ہم اس ''آزاد'' کائنات کے تصور کو تسلیم کر لیں تو بھی entropy کو اس میں سے نکالا نہیں جاسکتا۔ بیشک یہ بکھری ہوئی کائنات ناقابل یقین حد تک لمبا عرصہ لے گی لیکن entropy اسے پکڑ لے گی کیونکہ جہاں کہیں بھی مادہ موجود ہے وہ ضرور entropy کے زیر اثر آتا ہے۔ لہٰذا خواہ کائنات ''آزاد'' طرز کی ہو یا ''مقید'' یہ لافانی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن میں بیان ہوتا ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(البقرہ:118)

''وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا آغاز کرنے والا ہے''۔

ہر وہ چیز جس کا آغاز ہوا ہے لازماً ختم ہوگی لیکن وہ (خدا) نہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ

ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:28-27)

''ہر چیز جو اس پر ہے فانی ہے۔ مگر تیرے رب کا جاہ وحشم باقی رہے گا جو صاحب جلال واکرام ہے''

entropy کا یہ معمہ جو کائنات کے وجود کے خلاف ہے اس کو صرف قرآن کے بتائے ہوئے طریق سے ہی حل کا جا سکتا ہے جو چودہ سو سال پہلے بتایا گیا۔ یہ صرف ایک بار بار پیدا کی جانیوالی کائنات ہی نہیں ہے جو اپنے سے پہلی کائنات کی باقیات سے تخلیق کی گئی بلکہ ہر مرتبہ یہ اسی خالق کے ہاتھوں دوبارہ بنتی ہے وہی خالق جو ہر مرتبہ اس مقصد پورا کرنے کے بعد اس کو ختم کر دیتا ہے، جس کے لیے یہ پیدا کی جاتی ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قرآن نے یہ اعلان اس دور میں کیا جب ہر طرف جہالت تھی۔ یہ بیانات وضاحت کر رہے ہیں کہ کس طرح لاعلمی کی دنیا آہستہ آہستہ علم کی دنیا میں تبدیل ہوگی۔ اگر چہ ایک ہزار سال سے زائد عرصہ یہ (آیات) غیر اہم رہیں اور ان کی قدر نہ کی گئی لیکن ہمارے اس جدید اور متجسس دور میں اچانک ان میں زندگی دوڑ گئی، ایسے جیسے کہ یہ ہمیشہ سے یہاں ہیں۔

قرآن نے چودہ سو سال پہلے قطعی طور پر واضح کر دیا کہ ہر چیز جو پیدا ہوئی لازماً اس کی ایک مدت ہے صرف اکیلا خدا ہے جو عدم سے پیدا کرتا ہے اور پھر واپس عدم کی طرف ہی لوٹا دیتا ہے۔

ایک اور دلچسپ نقطہ جس کو اہمیت دی جانی چاہیے وہ یہ ہے کہ پچھلے چند سو سالوں کے دوران اگر چہ سائنس میں بڑی ترقیات ہوئیں لیکن اس صدی کے آغاز تک سائنسدانوں کو یقین تھا کہ ایٹم کو توڑا نہیں جا سکتا یہ صورتحال اسی طرح تھی یہاں تک کہ یہ صدی ترقی کرنے لگی اور سائنسدان اس قابل ہو گئے کہ ایٹم کو توڑ سکیں۔ جس کے ساتھ نیوکلئیر سے متعلقہ تباہیاں وابستہ ہیں اور ایٹم کے لافانی ہونے کا نظریہ ہمیشہ کے لیے بکھر گیا۔ پھر اس کے بعد پروٹان کا ٹوٹنا محض ایک حسابی اندازے کے طور پر ظاہر ہوا۔ اس سلسلے میں (پروٹان کے ٹوٹنے کے متعلق) کچھ کمزور شہادتیں زمین کی گہرائیوں میں ہونے والے مہنگے تجربوں سے ظاہر ہونا شروع ہوگئی ہیں۔

پروٹان کو ٹوٹتا ہوا دیکھنے کے لیے نہایت مہنگے تجربات ہو رہے ہیں اور خیال یہ ہے کہ اب صرف اس بات کا انتظار ہے کہ سائنسدان کب اس قابل ہوتے ہیں کہ پروٹان کے ٹوٹنے کی وضاحت کریں اور اس کی عمر کا اندازہ لگائیں۔ کس صورت میں وہ ٹوٹے گا اور کیا وہ اور وہ ٹوٹ پھوٹ دوبارہ استعمال کے قابل بنائی جاسکے گی یا نہیں۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جن کا سائنسدانوں کی آئندہ آنیوالی نسلیں جواب دیں گی۔ بہر حال پروٹان بھی اب لافانی نہیں رہے جیسا کہ پہلے کبھی سوچا جاتا تھا۔

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے یہ مسئلہ قطعی طور پر چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا تھا۔ کہ ہر چیز جو پیدا ہوئی لازماً اس کی ایک مدت ہے ختم ہوگی۔ صرف اکیلا خدا ہے جو عدم سے پیدا کرتا ہے اور پھر واپس عدم کی طرف ہی لوٹا دیتا ہے جو کچھ بھی اس نے پیدا کیا، جب کبھی بھی اور جس طرح سے بھی وہ چاہے گا۔

یہ قرآن کا خوبصورت انداز بیان ہے کہ وہ چیزیں جو

انسانوں نے بہت بعد کے دور میں بنائیں ان کے لیے یہ اصطلاحات اور اشارات استعمال کرتا ہے آج کے دور میں ہر کوئی بہت سی چیزوں مثلاً مشینوں، تعمیرات، مصنوعات کی خراب ہونے کی تاریخ کے بارے میں جانتا ہے ان اشیاء کی تاریخ منسوخی (expiry date) سائنسی تجربات کے ذریعے معلوم کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب پل بنتے ہیں تو ان کے افتتاح سے بھی بہت پہلے ان کی عمر کے بارے میں وہ انجینئرز بتا دیتے ہیں جو اس کو تعمیر کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے ستونوں کو سنوار رہے ہوتے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ آٹو موبائل، ریلوے انجنوں، پٹڑیوں اور اوزاروں کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان اوڑھتا یا استعمال کرتا ہے اس کی ایک عمر ہوتی ہے جو کہ سائنسی طریقوں سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ آج کل جو خوراک ڈبوں یا بوتلوں میں ملتی ہے اس پر بھی آخری معیاد درج ہوتی ہے۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ خالق کائنات کو اپنی تخلیق کی پیچیدگیوں کا علم ہونا چاہیے۔ (لہذا) قرآن کا انداز اور اشارات تازہ اور دور حاضر سے مطابقت رکھتے ہے۔ مختصراً یہ کہ کائنات کی فنا کے بارے قطعی اصول بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جو شروع ہوئی ہے اختتام پذیر ہوگی۔ جو کچھ بھی تخلیق ہوا ہے ضرور ہے کہ وہ آخر عدم میں ڈوب جائے۔ ہر چیز کا آغاز اور اختتام پہلے ہی اس کتاب (قرآن) میں تحریر ہو چکا ہے جس میں کہ تخلیق کا عظیم منصوبہ بیان ہوا ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء:105)

''جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جیسے دفتر تحریروں کو لپیٹتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلی تخلیق کا آغاز کیا تھا اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ وعدہ ہم پر فرض ہے۔ یقیناً ہم یہ کر گزرنے والے ہیں''۔

اب ہم اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر کچھ سائنسدانوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔ پال ڈیوس جو یونیورسٹی آف ایڈالیڈ میں نیچرل فلاسفی کے پروفیسر ہیں اور مشہور ٹیمپلٹن انعام یافتہ ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ان مسائل نے انیسویں صدی کے درمیان میں سائنسدانوں کو زیادہ پریشان کرنا شروع کیا۔ اسوقت تک طبیعات دان ایسے قوانین کے ساتھ کام کر رہے تھے جو کہ وقت میں یکساں طور پر ٹھیک کام کرتے تھے اور ماضی اور مستقبل کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے تھے۔ تب تھرموڈائنامک (Theremodynamic) کے کچھ عوامل کی تحقیق نے اس ناکارہ صورتحال کو تبدیل کر دیا۔ تھرموڈائنامکس (Theremodynamic) کے اہم اصولوں میں سے (Second law) سیکنڈ لاء ہے جس کی رو سے حدت ٹھنڈے اجسام سے گرم جسم کی طرف زیادہ تیزی کے ساتھ منتقل نہیں ہو سکتی جبکہ گرم جسم سے ٹھنڈے جسم کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اور یہ قانون الٹایا (reversible) نہیں ہو سکتا۔ یہ کائنات پر ایک تیر کا نشان ہے جو یک طرفہ تبدیلی کو ظاہر کر رہا ہے۔ سائنسدانوں کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ کائنات یک طرفہ طور پر حرارتی توازن کی طرف پھسلتی جا رہی ہے۔ یکسانیت کی طرف یہ رجحان جس میں کہ درجۂ

حرارت نکل جائے گا اور کائنات ایک غیر متغیر حالت کو پیش کرے گی ہے اس میں سب سے زیادہ مالیکولز کی بے ترتیبی یا entropy ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات ابھی ختم نہیں ہوئی ـــــ یعنی کہ یہ ابھی تک سب سے زیادہ entropy کی حالت سے کم درجہ پر ہے یہ صورت حال واضح کر رہی ہے کہ اس کائنات کو دوام حاصل نہیں۔''

(DAVIES,P The Mind of God: Science and the Search for the Ulitimate Meaning, Penguin BooksLtd.,England page47)

وہ اپنی کتاب "God and New Physics" میں لکھتے ہیں:-

''طبیعات دانوں نے ایک حسابی کمیت دریافت کی ہے جس کو entropy کہا جاتا ہے۔ جس سے بے ترتیبی کی مقدار کو معلوم کیا جا سکتا ہے، اور بہت ہی محتاط تجربات یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی بھی نظام کی کل entropy کبھی بھی گھٹتی نہیں ہے''

''اگر کائنات ترتیب کا ایک محدود ذخیرہ رکھتی ہے اور بے ترتیبی کی طرف بڑھنے والے اس کے قدم کی واپسی ممکن نہیں اور بالآخر وہ درجۂ حرارت کے ایک توازن پر پہنچ جائے گی تو فوری طور پر اس سے بہت گہرے دو قطعی نتائج نکلتے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ کہ کائنات آخر کار اپنی ہی entropy کی وجہ سے ختم ہو جائیگی۔ طبیعات دان اس کو ''ہیٹ ڈیتھ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ اپنی آخری حالت توازن کو لامحدود عرصہ پہلے ہی حاصل کر لیتی۔ نتیجہ: کائنات ہمیشہ نہیں رہے گی''۔

(DAVIES,P 1990 God and the New Physics Penguin Books Ltd, England page 10-11)

پروفیسر ایڈورڈ کیسل (Edward Kessel) یونیورسٹی آف سان فرانسسکو کے چیئر مین لکھتے ہیں:

''.....زندگی ابھی تک جاری ہے اور کیمیائی اور طبعی عوامل بھی ترقی کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری کائنات کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اپنی مفید توانائی کو استعمال کر لے گی اور ایک مقام پر ٹھہر جائے گی۔ تاہم بالکل غیر ارادی طور پر سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ ہماری کائنات کا ایک آغاز تھا۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو رہی ہے کہ خدا کا وجود ہے۔ ایسی چیز جس کا ایک آغاز ہو وہ خود بخود شروع نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لیے ایک تحریک دینے والے عظیم وجود کی ضرورت ہوتی ہے، ایک خالق، ایک خدا کی ضرورت ہوتی ہے۔''

(KESSEL, E.L. (1968) Lets Look at Facts, without Bent or Bias. In: The Evidence of God in an Expanding Universe by Monsma, J.C. Thomas Samuel Publishers, India, p.51)

اوپر بیان کئے گئے اقتباسات سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ خدا کے وجود پر اعتقاد کے لیے بہت ہی قطعی ثبوت موجود ہیں۔ یہ دلیل بہترین معلومات پر قائم ہے جو کہ نام نہاد غیر ذمہ دار سائنسدانوں نے مفصل تحقیقات کے بعد منکشف کی ہیں۔ یہ اب ان پر منحصر ہے کہ اپنی آنکھیں اس واحد نتیجہ سے پھیر لیں.......................

کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے دوسری صورت میں، ہمارے سمیت کوئی بھی چیز کسی بھی لمحے بر قرار نہیں رہ سکتی۔

(Revelation,Rationality,Knowledge & Truth. Part IV, Chapter 6 Entropy and the Finite Universe)

oooooooooooooo

جماعت احمدیہ اور مولانا عبیداللہ سندھی

(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

مولانا عبیداللہ سندھی چیانوالی ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام بوٹا سنگھ تھا اور خاندان زرگری کے پیشہ سے متعلق تھا۔

جب آپ سکول میں پڑھتے تھے تو آپ کو ۱۸۸۴ء میں آریہ سماج کے ایک لڑکے سے کتاب تحفۃ الہند از نومسلم عالم مولانا عبیداللہ صاحب مالیر کوٹلہ پڑھنے کو ملی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے راہ حق کی جانب راغب ہوئے۔ تقویۃ الایمان اور احوال الآخرت کتب سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اپنے ایک دوست محمد رفیق کے ساتھ ۱۵/اگست ۱۸۸۷ء جام پور سے نکل کھڑے ہوئے کچھ دن کوٹلہ رحیم شاہ ضلع مظفر گڑھ میں گذارے اس کے بعد سندھ چلے گئے۔ جہاں حافظ محمد صدیق صاحب چونڈی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے وہاں سے مولانا غلام محمد صاحب کے پاس دین پور چلے گئے۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ملا اور مولانا ابوسراج، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن شیخ الہند سے تلمذ کیا۔ مولانا نذیر حسین دہلوی سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھیں۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے حکمت وفلسفہ کی تعلیم پائی اور رام پور میں مولوی ناظر الدین سے منطق کا درس لیا۔ ۱۸۹۱ء میں تعلیم مکمل کر کے اروٹ شریف لوٹ آئے۔ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اس دوران مولوی محمد عظیم خاں کی دختر سے ان کی شادی ہوگئی۔ ۱۹۰۱ء میں مولانا سندھ کے ایک بڑے دینی اور روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہوگئے۔ وہاں مدرسۃ الرشاد کی بنیاد رکھی۔

مولانا سندھی مولانا محمود الحسن کے شاگرد رشید تھے انہی کی طرح برطانوی حکومت کے خلاف خفیہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس لئے دیوبند کے ارباب حل وعقد مولانا سندھی کی سیاسی سرگرمیوں کو خطرہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ مرحلہ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے بعد تحریک خلافت سے شروع ہوتا ہے ان کے مخصوص نظریات کا بہانہ بنا کر علمائے دیوبند مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا مولانا سندھی اس کفر کے فتوے کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

کافر وملحد کہنے کی اصل وجہ

"یہ جو تاریخ اسلام میں تم اکثر پڑھتے ہو کہ فلاں ملحد تھا۔ فلاں زندیق تھا۔ فلاں نے اسلام کو یوں نقصان پہنچایا۔ فلاں سے مسلمانوں کو یہ گزند پہنچا۔ وغیرہ وغیرہ تو یاد رکھو ان میں سے اکثر ایسے تھے جو اپنے زمانے میں مروجہ مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن برسراقتدار طبقے کے مفادات پر اس سے زد پڑتی تھی۔ چنانچہ اس کی طرف سے ان کے خلاف مذہبی حربہ استعمال کیا گیا اور اس کے جواب میں بھی مذہب ہی میدان میں آیا۔ اور اس طرح معاشرتی سیاسی اور اقتصادی اصلاح کی کشمکش مذہبی کشمکش بن گئی اور ایک دوسرے کو ملحد اور

زندیق ٹھہرایا گیا۔ اسلام میں مذہبی فرقوں کی ابتداء اس طرح ہوئی اور الحاد و زندقہ کا چکر یوں چلا"۔

(افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور)

آپ ۱۹۱۲ء میں دہلی منتقل ہو گئے یہاں نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی۔ اگست 1915ء میں ہجرت کر کے کابل چلے گئے۔ قیام کابل کے دوران آپ نے آزادی ہندوستان کی سکیم تیار کی جس نے تاریخ آزادی پاک و ہند میں "ریشمی رومال کی تحریک" سے شہرت پائی۔

اکتوبر ۱۹۱۵ء تا ۲۲/اکتوبر ۱۹۲۲ء کابل میں قیام کیا۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء تا جولائی ۱۹۲۳ء ماسکو میں قیام رہا۔ ۱۰/نومبر ۱۹۲۳ء تا ۲۳/جون ۱۹۲۶ء ترکی میں قیام پذیر رہے مکہ معظمہ میں آمد اگست ۱۹۲۶ء کو ہوئی اور مارچ ۱۹۳۹ء کو ہندوستان میں مراجعت ہوئی۔ ۲۲/اگست ۱۹۴۴ء میں وفات پائی اور دین پور سندھ میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا بہت معاملہ فہم عالم تھے۔ مذہبی تنگ نظری کے بہت خلاف تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے اس سے نہ ٹلتے۔ جماعت احمدیہ اور حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل سے دلی محبت اور اخوت رکھتے تھے۔ اور اس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی سے ۱۹۰۹ء سے تا وفات تعلقات رہے۔ جس کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کئی بار ذکر فرمایا۔ مولانا کئی مسائل میں جماعت احمدیہ کا موقف اختیار کئے ہوئے تھے اور اس کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

دعا اپنی زبان میں کرنی چاہیے

"ایک دن کا ذکر ہے مولانا حسب معمول حرم میں اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے مختلف ملکوں کے حاجیوں کی ٹولیاں خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں ہر ٹولی کے آگے آگے معلم ایک آدمی تھا۔ بعض ٹولیوں کے آگے نوعمر لڑکے تک تھے۔ یہ اونچی آواز سے عربی میں مسنونہ دعائیں پڑھتے اور اکثر حاجی بغیر سمجھے اور بعض دفعہ غلط ملط یہ دعائیں دہراتے جاتے تھے۔ مولانا نے یہ منظر دیکھا تو بڑے دکھ کے ساتھ فرمانے لگے کہ اپنے رب کو اپنی مادری زبان میں پکارنا انسان پر بڑا اثر کرتا ہے۔ یہ پکار انسان کے دل سے نکلتی ہے اور جسم اور روح کے اندر اس کی تاثیر سرایت کر جاتی ہے۔ ان عرب معلموں نے صرف عربی زبان میں دعاؤں پر زور دے کر حج اور اس کے مناسک کو بے روح بنا دیا ہے۔ ان مطوفین یعنی طواف کرانے والوں کو دیکھو کہ ان میں سے ایک ایک کے پیچھے بیس بیس۔ تیس تیس حاجی ہیں۔ معلوم نہیں مطوفین کیا الاپتے ہیں اور یہ بیچارے حاجی ان کے الاپے ہوئے عربی جملوں کو بے سوچے سمجھے ادا کرتے ہیں۔ نہ مطوف کے دل سے دعا نکلتی ہے اور نہ حاجی ان دعاؤں کو سمجھتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی زبان میں دعا پڑھے تو یہ مطوف اسے غضبناک نظروں سے دیکھتے ہیں"۔

(افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور صفحہ ۳۱)

جو کسی کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہے

ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا مولانا نے فرمایا کہ:-

"اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جن عقائد و مبادی کی بناء پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے وہ ان عقائد و مبادی کو عملی شکل دینے کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں اسے اس زندگی میں بروئے کار لانے کے لئے سرگرم کار ہوں۔ لیکن وہ مولوی جس بناء پر مجھ پر کفر کا حکم لگاتا ہے وہ اسے نافذ کرنے کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کرتا"۔

(افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور صفحہ ۱۲۴)

اپنی تفسیر القرآن میں وفات مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

بل رفعه الله یہ کلمہ قرآن میں ایک بار مستعمل نہیں ہوا بلکہ اس کلمہ کی بہت سی مثالیں اور نظائر ہیں جیسے اجتماعیت میں مقام عالی حاصل ہو تو قرآن اسے رفع کے ساتھ موصوف کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے مسیح کا درجہ بلند کیا (یہی رفع کا معنی ہے)۔ اب ہم (حضرت) موسیٰ علیہ السلام اور (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات نہیں جان سکتے۔ جب تک کہ ابن مریم کی اتباع نہ کریں۔ یقیناً اللہ نے اس کا مقام بلند کیا۔ نیز ہمیں یہ ضرورت نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں اس کے رفع جسمانی کے قائل ہوں۔

(الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن جلد اول صفحہ ۳۹۶۔۳۹۷۔ ناشر مولانا محمد معاویہ بیت الحکمہ جھنگ روڈ کبیر والا ملتان)

مولانا سندھی صاحب جماعت احمدیہ کی غیر مذاہب کے مقابلہ کے سلسلہ میں خدمات ومساعی کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

جمیع اقوام عالم سے چند آدمی ایک خالص دینی اور مذہبی کانفرنس (مؤتمر) منعقد کرنے کی غرض سے ہمارے شہروں کی طرف آئے۔ جو اس بارہ میں بحث کرنا چاہتے تھے کہ انسانیت عامہ (عمومیہ) کے لئے کون سا دین مناسب ہے اور اس مؤتمر کی زبان انگریزی تھی۔ تو میں نے علمائے وقت سے سوال کیا کہ ان پر واجب نہیں تھا کہ اس مؤتمر میں کوئی ایسا شخص بھیجتے جو ان لوگوں پر اسلام پیش کرتا؟

توانہوں (علمائے وقت) نے جواب میں کہا کہ کوئی فرض نہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا کہنے۔ وہ تو چل کر تمہارے ملک ہندوستان (متحدہ پاک و ہند) میں تمہارے گھروں تک پہنچے ہیں (اور تمہارا یہ جواب؟) تو (علمائے وقت) کہنے لگے کہ ہم ان کی انگریزی زبان نہیں جانتے۔ میں نے کہا اگر تم اولادِ مسلمین کو علم دین کی تعلیم دے کر پہلے اس فریضہ کو ادا کر چکے ہوتے تو وہی آج تمہاری طرف سے وکیل بن کر اسلام پیش کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مرزا قادیانی کے پیروکاروں سے ایک شخص اس مؤتمر میں گیا۔ جس نے ان پر (دین حق) پیش کیا۔ تو اب مجھے اہل علم حضرات سے سوال کا موقع ملا۔ جس کے جواب میں گویا ہوئے۔ یہی کافی ہے میں نے کہا۔ کیا تم قادیانیوں کی تکفیر سے رجوع کرتے ہو۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی ان کی تکفیر پر مصر رہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تمہاری طرف سے فرض کفایہ کیسے ایک کافر انسان ادا کر سکتا ہے۔ ہو نہ ہو دو باتوں میں سے ایک بات کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ یا تو تم قادیانیوں کو کافر نہ کہو تا کہ تم انہیں (پیغام حق) میں اپنا وکیل بنا سکو۔

۲۔ یا اہل اسلام کے ان لوگوں کو جو انگریزی زبان کے ماہر ہیں دینی تعلیم دے دو لیکن انہوں نے تو (علمائے وقت) نے نہ یہ بات مانی اور نہ وہ مانی اس واقعہ میں اہل علم حضرات کے عقلوں کا تناقض ظاہر ہو جاتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ (علماء) ان مسلمان جوانوں کو (جو انگریزی تعلیم رکھتے ہیں) دین کی تعلیم نہیں دے سکتے اس لئے کہ یہ (علماء) دینی حکمت اور فلسفہ سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

(الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن جلد ۲ صفحہ ۹۸۔۱۰۰ از مولانا عبیداللہ سندھی۔ ناشر مولانا محمد معاویہ بیت الحکمہ جھنگ روڈ کبیر والا ملتان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کامیابی

مولانا فرماتے ہیں:-

''ابھی کل کی بات ہے یہیں مرزا غلام احمد تھے۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کی چند ضرورتیں تھیں اور اس دور کے کچھ تقاضے تھے۔

مرزا غلام احمد نے قرآن اور (دین حق) کی خاص طرح سے تعبیر کر کے انہیں پورا کیا۔ انہوں نے قادیان میں ایک مدرسہ بنایا لنگر خانہ کھولا اور لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کیا۔ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ کہ ان کی ایک جماعت ہے۔ اور وہ کام کر رہی ہے اس کا اچھا خاصا اثر بھی ہے۔

(مولانا عبیداللہ سندھی افادات وملفوظات از پروفیسر محمد سرور صفحہ ۱۸۸۔۱۸۹)

حکیم نورالدین صاحب بہت بڑے عالم قرآن تھے

ایک مرتبہ جب مولانا حرم میں بیٹھے ہوئے کسی سوال پر کہنے لگے۔ "حکیم نورالدین بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب غصے میں آ گئے۔ اور بڑے ناراض ہو کر کہنے لگے۔ کہ مولانا! وہ تو قادیانی تھے۔ مولانا مسکرائے اور بڑے تحمل سے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ حکیم نورالدین قادیانی نہیں ہے۔ میں نے جو بات کہی ہے وہ تو صرف اتنی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے......" دوسرے دن مَیں نے مولانا کے مکان پر ان سے حکیم نورالدین کے بارے میں مزید تفصیل چاہی فرمانے لگے کہ "میں حکیم صاحب سے قادیان میں متعدد بار ملا واقعی وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ میں تو کہوں ہندوستان سے باہر میں کئی اسلامی ملکوں میں رہ چکا ہوں اور یہاں مکہ معظمہ میں مختلف ملکوں سے بڑے بڑے مسلمان علماء آتے رہتے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا بڑا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نورالدین تھے"۔

(افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور صفحہ ۳۳،۳۴)

مولوی نورالدین ایسے بے نظیر عالم اور صاحب فضل شخص کا (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) جیسے شخص کا مرید اور عقیدت مند بن جانا بظاہر عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس معاملے میں قدرے تعمق سے کام لیا جائے تو یہ بات ناقابل فہم نہیں رہتی۔ مولوی نورالدین صاحب پنجابی تھے اور اتفاق سے میں بھی نسلاً پنجابی ہوں (گو وطناً سندھی ہوں) اس لئے ایک پنجابی کی ذہنیت کو سمجھنا میرے لئے آسان ہے۔

مولانا کہنے لگے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں مولوی صاحب موصوف مرزا صاحب کے حلقہ بگوش ہونے کی وجہ یہ ہے۔

مولوی نورالدین قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہیں قرآن سے انتہائی شغف تھا۔ انہیں یہ لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ قرآن کی اشاعت ہو۔ اس کی خوبیوں سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ ان کو قرآن کی دعوت دی جائے اور انہیں قرآن کے اصولوں پر اپنی زندگیاں ڈھالنے پر آمادہ کیا جائے۔

مولوی صاحب کے اندر یہ تڑپ تھی۔ انہیں اس بات کی لو لگی ہوئی تھی۔ لیکن ان کو خود اپنے اوپر اتنا اعتماد نہ تھا۔ کہ وہ اس دعوت کے بنفس نفیس علم بردار بنتے اور اس کے قائد اور امام بن کر لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے بے شک ان میں علم تھا اور ان کی نظر وسیع تھی حقیقت شناس دل اور دماغ کے مالک تھے......

مولانا سندھی کا کہنا تھا کہ مولوی نورالدین صاحب بے تاب تھے کہ کس طرح قرآن کی دعوت کو عام کریں۔ وہ خود اس دعوت کے امام بننے کی ہمت نہ رکھتے تھے حسن اتفاق سے ان کو مرزا صاحب جیسی جرأت۔ اولوالعزم اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والے شخصیت مل گئی...... چنانچہ مرزا صاحب کو پیشوا اور امام ماننے میں مولوی صاحب کو مطلق کوئی تامل نہ ہوا کیونکہ وہ ان کی قیادت میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قرآنی دعوت کو عام اور دین حق کی خدمت کر سکتے تھے اور اس کام کے لئے جن اوصاف کی وہ اپنے اندر کمی پاتے تھے مرزا صاحب کی شخصیت میں وہ خوبیاں انہیں بدرجۂ اتم مل گئی تھیں۔

ایک اور موقع پر مولانا نے کہا:-

میں مولوی نورالدین کو واقعی بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔ ان کے علم، تفقہ فی الدین، خلوص، ایثار، بے غرض خدمت دین اور سب سے بڑھ کر ان اپنے آپ کو ایک مقصد کے لئے وقف کر دینا ان چیزوں کا میں بڑا معترف ہوں۔

(مولانا عبیداللہ سندھی افادات وملفوظات از پروفیسر محمد سرور صفحہ ۴۰۰ تا ۴۰۲)

معروف انقلاب پسند جناب اقبال شیدائی کے نام اپنے خط محررہ ۲/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مولانا سندھی بھی لکھتے ہیں۔

''آپ کو معلوم نہیں کہ مَیں مولانا نورالدین مرحوم کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوا۔ آپ مولانا محمد علی اور مولانا صدرالدین سے دریافت کر سکتے ہیں کہ مولانا مرحوم میرے متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔

ان کی دعاؤں کو مَیں اپنے لئے ایک ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے میرے دیوبندی کشمیری دوستوں نے میری تکفیر سے گریز نہیں کیا۔ مگر میری محبت اس پارٹی سے کم نہیں ہوئی۔

نیز لکھا: مولانا نورالدین مرحوم کو علمائے (دین حق) میں بہت بڑے درجے پر مانتا ہوں...... میں مولانا نورالدین کے خاص شاگردوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میری اس تفریق کو جو لوگ نہیں سمجھتے وہ مجھے برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔

(مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر محمد اسلم صفحہ ۴۵ و ۴۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور مولانا سندھی

مولانا عبیداللہ صاحب سندھی قادیان میں حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس قادیان آیا کرتے تھے اور کئی کئی ہفتے قیام کر کے قرآن کریم کے علوم و معارف آپ سے سیکھتے تھے۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ان کی قادیان آمد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

مجھے یاد ہے کہ جب...... میری عمر اس وقت کوئی اکیس سال کی تھی کہ ایک سندھ کے مولوی صاحب غالباً مولانا عبیداللہ صاحب سندھی جو اکثر قادیان آتے رہتے تھے استاذی المکرّم حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے یہ آیت آپ کے سامنے رکھی کہ آپ اس کو حل کر دیں اور یہ اعتراض کیا کہ قرآن نے یہ کیا کہا ہے کہ اگر کئی معبود ہوتے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہو جاتا حالانکہ معبود تو کہتے ہی اسے ہیں جو کامل القویٰ ہو......

استاذی المکرّم حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ان کو کئی جواب دیئے مگر ان کی تسلی نہ ہوئی۔ بڑی دیر تک وہ اعتراض کرتے چلے گئے۔ مجھے اب تک وہ کمرہ یاد ہے جہاں یہ باتیں ہوئی تھیں۔ بلکہ اب تک وہ جہتیں بھی یاد ہیں جس طرف دونوں کے منہ تھے۔ استاذی المکرّم حضرت مولوی صاحب کا منہ اس وقت شمال کی طرف تھا اور سندھی مولوی صاحب کا منہ جنوب کی طرف تھا اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بحث لمبی ہوگئی اور سندھی مولوی صاحب نے کہا کہ اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔ تو استاذی المکرّم حضرت مولوی صاحب نے بڑے جوش سے کہا کہ آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ مَیں جواب نہیں دے سکتا۔ ذرا اس بچہ سے جو میرا شاگرد ہے بحث کر کے دیکھ لیں۔ مولوی عبیداللہ صاحب کو معلوم تھا کہ مَیں بانی سلسلہ کا بیٹا ہوں۔ وہ تھے تو دیوبندی مگر ایک لمبے عرصے تک مختلف پیروں کے مرید بھی رہ چکے تھے اور پیروں کا ادب ان کے دل میں بڑا تھا۔ استاذی المکرّم کی بات سن کر کہنے لگے ان سے میں بحث نہیں کروں گا یہ تو مرزا صاحب کے بیٹے ہیں۔ معلوم نہیں اگر بحث ہو جاتی تو میں اس وقت کیا جواب دیتا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ بے شک اللہ کامل القویٰ ہوتے ہیں لیکن ان کا کامل القویٰ

ہونا ہی بتاتا ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مذکورہ بالا واقعہ تو ۱۹۰۹ء کا ہے...... یہی جواب سندھی مولوی صاحب کو دینا مناسب تھا۔ مگر اس وقت انہوں نے بحث سے انکار کر دیا۔

(تفسیر کبیر جلد پنجم ۵۰۲۔۵۰۴ از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)

حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہد خلافت میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے مشہور دینی مدارس کے دوروں کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تو آپ دیوبند بھی گئے۔ جہاں مولانا عبیداللہ سندھی صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

''مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بیٹے یا پوتے انہوں نے میرا بڑا ادب کیا اور مدرسہ والوں کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ آئیں تو ان سے اعزاز کے ساتھ پیش آئیں۔ بعد میں انہوں نے میری دعوت بھی کی لیکن میں پیچش کی وجہ سے اس دعوت میں شریک نہ ہو سکا...... بڑے ادب سے پیش آئے اور بڑی محبت کے ساتھ ہماری دعوت کی اور استقبال کیا بعد میں انہوں نے مولوی محمد عبیداللہ صاحب سندھی کو ہمارے پاس بھجوادیا اور معذرت کی کہ مجھے پتہ لگا ہے کہ بعض مولویوں نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا ہے۔ مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔ میں انہیں ہمیشہ ہی کہتا رہا۔ کہ اب نہ کیا کریں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ اس وقت مولوی عبیداللہ صاحب سندھی جو بڑے متمدن اور مہذب آدمی تھے ان کے مشیر کار تھے۔ اور وہ مولوی صاحب کا بہت لحاظ کرتے تھے اور انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی باتیں مانتے تھے...... مولوی محمد قاسم صاحب کے یہ بیٹے یا پوتے جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا نام غالباً محمد احمد تھا (حافظ محمد احمد صاحب بیٹے تھے۔ ناقل)۔ مولوی عبیداللہ صاحب انہیں ہمیشہ صحیح مشورہ دیتے رہتے تھے۔ اور ان سے ایسا کام لیتے تھے۔ جس سے اسلامی اخلاق صحیح طور پر ظاہر ہوں۔ چنانچہ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے میرا بڑا ادب کیا اور دعوت کی۔ اور بعد میں مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کو میرے پاس بھیج کر معذرت کی کہ بعض مولویوں نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا ہے۔ جس کا مجھے افسوس ہے آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۶ رفروری ۱۹۵۸ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مولانا عبیداللہ صاحب سندھی سے اپنے تعلقات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''مولوی عبیداللہ صاحب سندھی ایک خداترس انسان تھے اور سادہ مزاج تھے۔ میرے وہ بچپن سے واقف تھے۔ جماعت احمدیہ کے پہلے امام کے زمانہ میں وہ قادیان بھی آیا کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ میں اس وقت ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا میرا بہت ادب کرتے تھے۔ بعد میں بھی ان کے ساتھ تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ میں دیوبند میں بھی جا کر ان سے ملا تھا۔ کبھی کبھی پیغام وسلام بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ اس لئے میرے دل میں ان کا بہت ادب ہے میں ان کو متصنع آدمی نہیں سمجھتا۔ لیکن ان کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ شدت سے کمیونسٹ خیالات سے متاثر تھے۔

ہجرت کی تحریک کے موقع پر وہ ہندوستان سے نکلے۔ رشیا میں بڑے بڑے کمیونسٹ لوگوں سے ان کے تعلقات رہے۔ لیکن پھر بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اور وہاں سے آ گئے۔ لیکن کمیونسٹ خیالات نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بوجہ کمیونسٹوں سے بگاڑ کے وہ ظاہراً کمیونسٹ نہیں رہے تھے۔ مگر خیالات پر وہی رنگ تھا۔ حجاز میں رہتے ہوئے بھی جو رپورٹیں آتی تھیں وہ یہی تھیں کہ کمیونسٹ اصول کو انہیں نے ترک نہیں کیا۔ چنانچہ غالباً ۲۷ یا ۲۸ء کی بات ہے ان کے متعلق تحریک کی گئی کہ چونکہ اب کمیونسٹ حکومت ان کی مخالف ہے اس لئے ان کو

ہندوستان میں آنے کی اجازت دی جائے۔ اس وقت غالباً سر ماؤنٹ مورنس پنجاب کے گورنر تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان کو جانتا ہوں اور آیا ان کو واپس آنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں مولانا کو خوب جانتا ہوں۔ وہ نہایت شریف اور نیک طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اپنی بات کے پکے ہیں۔ نہ جلدی رائے قائم کرتے ہیں نہ جلدی رائے چھوڑتے ہیں۔ ہاں نیک طبیعت اور سادہ طبع ہونے کی وجہ سے دوسرے کے فائدہ کے خیال سے کبھی اپنی بات جلدی سے بدل لیتے ہیں مگر طبیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی اتباع کے خیال سے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو واپس آنے کی اجازت دے دی گئی۔

میں نہیں جانتا کہ اس تحقیق کے سلسلہ میں یا بعد میں دوبارہ سوال اٹھایا گیا اور ہندوستان آنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد ہمیں ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ شاید ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ میں نے ان کو دعوت دینے کا ارادہ کیا مگر میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ فوت ہو گئے۔ پرانی طرز کے علماء میں سے وہ ایک نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے آدمی تھے۔ لیکن ان کا کوئی خیال دلیل نہیں کہلا سکتا۔ وہ بعض عجیب عجیب قسم کی باتیں سوچا کرتے تھے۔ ان کے دوست ان کے دماغ کی اس کیفیت کو خوب جانتے ہیں میں مثال کے طور پر ایک بات پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیوں سے کوئی تعصب نہیں رکھتا میں نے کہا خوب جانتا ہوں۔ کہنے لگے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں احمدیہ عقیدہ سے بھی متفق ہوں۔ میں مرزا صاحب کو ایک بڑا بزرگ سمجھتا ہوں اور صوفی سمجھتا ہوں ....

مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کا بہت ادب اور احترام کرتا ہوں اور ان کو طبعاً ایک نیک انسان سمجھتا ہوں۔

((دین حق) اور ملکیت زمین ۱۵۱ تا ۱۵۴ از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب)

****

خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

مرزا اسد اللہ خان غالب

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

دلِ آشفتگاں خالِ کُنجِ دہن کے
سُوَیدا میں سَیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سروِ قامت سے اک قدِّ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا! کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سُراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ون ڈے انٹرنیشنل کرکٹ کے ۳۴ سال

(مرسلہ ہمایوں طاہر احمد)

آج سے ۳۴ سال قبل ۵؍جنوری ۱۹۷۱ء کو پہلا ون ڈے انٹرنیشنل میچ آسٹریلیا اور انگلینڈ کے مابین ہوا جو آسٹریلیا نے جیتا۔ اور ۳۰؍جنوری ۲۰۰۵ء کو ۲۲۱۰ واں میچ پاکستان اور آسٹریلیا کے درمیان ہوا اور پاکستان نے یہ میچ جیتا۔

ون ڈے کرکٹ میں سب سے زیادہ میچ کھیلنے والا کھلاڑی

سب سے زیادہ میچ وسیم اکرم نے کھیلے (۳۵۶) دوسرے نمبر پر بھارت کے سچن ٹنڈولکر ہیں انہوں نے ۳۴۴ میچ کھیلے۔ تیسرے سری لنکا کے اروندا ڈی سلوا ہیں انہوں نے ۳۰۸ میچ کھیلے۔

ون ڈے میں سب سے بڑی انفرادی اننگ کھیلنے والے کھلاڑی

پاکستان کے سعید انور نے سب سے بڑی انفرادی اننگز کھیلی انہوں نے ۱۹۴؍سکور بھارت کے خلاف چنائی کے مقام پر بنائے۔ دوسرے نمبر پر ویوین رچرڈز ویسٹ انڈیز انہوں نے ۱۸۹؍ناٹ آؤٹ بنائے۔ تیسرے نمبر پر سری لنکا کے سنتھ جے سوریا ہیں انہوں نے ۱۸۹ بنائے اور وہ آؤٹ ہو گئے۔

ون ڈے میں مجموعی طور پر زیادہ رنز بنانے والے کھلاڑی

انڈیا کے سچن ٹنڈولکر پہلے نمبر پر ہیں انہوں نے ۱۳۴۹۷؍رنز اب تک بنائے ہیں۔ دوسرے نمبر پر پاکستان کے انضمام الحق ہیں انہوں نے ۱۰۵۰۳؍رنز بنائے۔ تیسرے نمبر پر بھارت کے سارو گنگولی ہیں انہوں نے ۹۹۳۶؍رنز بنائے۔

ون ڈے کرکٹ میں زیادہ سے زیادہ سکور کرنے والی ٹیمیں

پہلے نمبر پر سری لنکا ہے جس نے کینیا کے خلاف ۳۹۸؍رنز بنائے۔ دوسرے نمبر پر بھارت ہے جس نے نیوزی لینڈ کے خلاف ۳۷۶؍رنز بنائے۔ تیسرے نمبر پر بھی بھارت ہے جس نے سری لنکا کے خلاف ۳۷۳؍رنز بنائے۔

ون ڈے کرکٹ میں سب سے زیادہ وکٹیں لینے والے بولرز

پہلے نمبر پر پاکستان کے وسیم اکرم ہیں انہوں نے ۵۰۲ وکٹیں لیں۔ دوسرے نمبر پر پاکستان کے وقار یونس ہیں انہوں نے ۴۱۶ وکٹیں لیں۔ تیسرے نمبر پر مرلی دھرن سری لنکا ہیں انہوں نے ۳۶۹ وکٹیں لی ہیں۔

ون ڈے کے دوسرے اہم ریکارڈ

ون ڈے میں سب سے زیادہ سنچریاں بنانے والے سچن ٹنڈولکر ہیں انہوں نے ۳۷ سنچریاں بنائی ہیں۔ سب سے زیادہ نصف سنچریاں انضمام الحق نے بنائی ہیں انہوں نے ۷۶ نصف سنچریاں بنائی۔

تیز ترین سنچری شاہد آفریدی نے ۳۷ گیندوں پر بنائی۔ تیز ترین نصف سنچری سری لنکا کے سنتھ جیسوریا نے بنائی انہوں نے ۱۷ گیندوں پر نصف سنچری بنائی۔

وکٹ کیپر کی حیثیت سے سب سے زیادہ شکار کرنے والے ایڈم گلکرسٹ ہیں انہوں نے ۳۲۸ شکار بنائے۔

سب سے زیادہ ون ڈے پاکستان نے کھیلے۔ پاکستان نے کل ۶۰۶ میچ کھیلے ہیں۔

ون ڈے میں کل ۱۹ ہیٹرک ہوئیں ۸ پاکستانی بولرز نے کی ہیں۔ ون ڈے کرکٹ میں سب سے کم سکور کرنے والی ٹیم زمبابوے ہے جس نے سری لنکا کے خلاف صرف ۳۵ رنز بنائے۔ سب سے زیادہ ۱۶۴ میچوں میں ایمپائرنگ کے فرائض انگلینڈ کے ڈیوڈ شیفرڈ نے ادا کیے۔

سب سے زیادہ ۱۳۹ میچوں میں ٹیم کی قیادت سری لنکا کے رانا ٹنگا نے کی۔ سب سے زیادہ ۵۰ مرتبہ مین آف دی میچ کا اعزاز حاصل کرنے کا ریکارڈ بھارت کے سچن ٹنڈولکر کے پاس ہے۔ (بحوالہ جنگ ۲۸؍جنوری ۲۰۰۵ء)

❀❀❀❀❀❀❀❀

شوخی تحریر

ملکی پرندے اور دوسرے جانور

(مرسلہ: مکرم طاہر محمود صاحب)

کوّا

کوّا گرائمر میں ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔

کوّا صبح صبح موڈ خراب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ایسا موڈ جو کوّے کے بغیر بھی کوئی خاص اچھا نہیں ہوتا۔ علی الصبح کوّے کا شور انسان کو مذہب کے قریب لاتا ہے اور نروان کی خواہش شدت سے پیدا ہوتی ہے۔

کوّا گا نہیں سکتا اور کوشش بھی نہیں کرتا۔ وہ کائیں کائیں کرتا ہے۔ کائیں کے کیا معنی ہیں؟ میرے خیال میں تو اس کا کوئی مطلب نہیں۔

کوّے کالے ہوتے ہیں۔ برفانی علاقے میں سفید یا سفیدی مائل کوّا نہیں پایا جاتا۔ کوّا سیاہ کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔

پہاڑی کوّا ڈیڑھ فٹ لمبا اور وزنی ہوتا ہے۔ میدان کے باشندے اس سے کہیں چھوٹے اور مختصر کوّے پر قانع ہیں۔ کوّے خوبصورت نہیں ہوتے لیکن پہاڑی کوّا تو باقاعدہ بدنما ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معمولی کوّے سے جسم میں زیادہ ہوتا ہے۔ کوّے کا بچپن گھونسلے میں گزرتا ہے جہاں اہم واقعات کی خبریں ذرا دیر سے پہنچتی ہیں۔ اگر وہ سیانا ہو تو بقیہ عمر وہیں گزار دے۔ لیکن سوشل بننے کی تمنا اُسے آبادی میں کھینچ لاتی ہے۔ جو کوّا ایک مرتبہ شہر میں آجائے وہ ہرگز پہلا سا کوّا نہیں رہتا۔

کوّے کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو کوّا نہیں دیکھتا وہ اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں دیکھا جائے۔ کوّا بے چین رہتا ہے اور جگہ جگہ اُڑ کر جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی بے حد مختصر ہے۔ چنانچہ وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کون نہیں چاہتا؟

کبھی کبھی کوّے ایک دوسرے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ دراصل ایک کوّا دوسرے کوّے کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس سے ہم دیکھتے ہیں۔ دوسرے پرندوں کی طرح کوّوں کے جوڑے کو کبھی چہلیں کرتے نہیں دیکھا گیا۔ کوّا کبھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ یا کرتا ہے؟ کوّے کو لوگ ہمیشہ غلط سمجھتے ہیں۔ سیاہ رنگ کی وجہ سے اسے پسند نہیں کیا جاتا۔ لوگ تو بس ظاہری رنگ روپ پر جاتے ہیں۔ باطنی خوبیوں اور کریکٹر کو کوئی نہیں دیکھتا۔ کوّا کوئی جان بوجھ کر تو سیاہ نہیں ہوا۔ لوگ چڑیوں، مرغیوں اور کبوتروں کو دانہ ڈالتے وقت کوّوں کو بھگا دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح نہ صرف کوّوں کے لاشعور میں کئی ناخوشگوار باتیں بیٹھ جاتی ہیں بلکہ ان کی ذہنی نشوونما پر برا اثر پڑتا ہے۔ آخر کوّوں کے بھی تو حقوق ہیں۔

کوّا باورچی خانے کے پاس بہت مسرور رہتا ہے۔ ہر لحظے کے بعد کچھ اٹھا کر کسی اور کے لئے کہیں پھینک آتا ہے اور پھر درخت پر بیٹھ کر سوچتا ہے کہ زندگی کتنی حسین ہے۔

کہیں بندوق چلے تو کوّے اسے اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں اور دفعتاً لاکھوں کی تعداد میں کہیں سے آجاتے ہیں۔ اس قدر

شور مچتا ہے کہ بندوق چلانے والا مہینوں پچھتا تا رہتا ہے۔

بارش ہوتی ہے تو کوے نہاتے ہیں لیکن حفظان صحت کے اصولوں کا ذرا خیال نہیں رکھتے۔ کوا سوچ بچار کے قریب نہیں پھٹکتا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ زیادہ فکر کرنا اعصابی بنا دیتا ہے۔ کوے سے ہم کئی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ کوا بڑی سنجیدگی سے اُڑتا ہے بالکل ہونچ کی سیدھ میں۔ کوے اُڑ رہے ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ شرط لگا کر اُڑ رہے ہیں۔ کوے فکر معاش میں دور دور نکل جاتے ہیں لیکن کبھی کھوئے نہیں جاتے۔ شام کے وقت کوئی دس ہزار کوا کہیں سے واپس آ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غلط کوے ہوں۔

کوا اتنا غیر رومانی نہیں جتنا میں اور آپ سمجھتے ہیں۔ شاعروں نے اکثر کوے کو مخاطب کیا ہے۔ کاگا لے جا ہمارا سندیس "کاگا رے جا رے......" وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ہمیشہ کوے کو کہیں دور جانے کے لئے کہا گیا ہے۔ کسی نے بھول کر بھی خوش آمدید نہیں کہا۔ بلکہ ایک شاعر تو یہاں تک کہہ گیا کہ ---"کاگا سب تن کھائیو چُن چُن کھائیو ماس ..." یہاں میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ جانیں اور آپ کا کاگا۔

اگر آپ کوؤں سے نالاں ہیں تو مت بھولیے کہ کوے بھی آپ سے نالاں ہیں۔

بھینس

بھینس موٹی خوش طبع ہوتی ہے۔

بھینسوں کی قسمیں نہیں ہوتیں۔ وہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ بھینس کا وجود بہت سے انسانوں کے لئے باعث مسرت ہے۔ ایسے انسانوں کی زندگی میں بھینس کے علاوہ مسرتیں بس گنی گنائی ہوتی ہیں۔

بھینس کا ہم عصر چوپایہ گائے دنیا بھر میں موجود ہے لیکن بھینس کا فخر صرف ہمیں ہی نصیب ہے۔ تبت میں گائے کے وزن پر سرا گائے ملتی ہے۔ سرا بھینس کہیں نہیں ہوتی۔

جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ افریقہ میں بھینس سے ملتی جلتی کوئی چیز Bison ہوتی ہے۔ مگر وہ دودھ نہیں دیتی۔ جغرافیہ دان اتنا نہیں سمجھتے کہ جو چیز دودھ نہ دے بھلا وہ بھینس جیسی کیونکر ہو سکتی ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بھینس اتنی ہی بے وقوف ہے جتنی دکھائی دیتی ہے یا اُس سے زیادہ۔ کیا بھینسیں ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں؟ غالباً نہیں۔ محبت اندھی ہوتی ہے مگر اتنی اندھی نہیں۔

بھینس کے بچے شکل وصورت میں ننھیال اور ددھیال دونوں پر جاتے ہیں۔ لہذا فریقین ایک دوسرے پر تنقید نہیں کر سکتے۔

بھینس سے ہماری محبت بہت پرانی ہے۔ بھینس ہمارے بغیر رہ لے لیکن ہم بھینس کے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتے۔ آج کل یہ شکایت عام ہے کہ لوگوں کو کوٹھی ملتی ہے تو ایسی جس میں گیراج تک نہیں ہوتا جہاں بھینس باندھی جا سکے۔

جس گھر میں بھینس ہو (اور بھینس کہاں نہیں ہے) وہاں اندرونِ حویلی سب کے سب بھینس کے چکنے اَونٹے ہوئے دودھ کے لمبے لمبے گلاس چڑھاتے ہیں۔ پھر خمار چڑھتا ہے کائنات اور اس کا کھیل بے معنی معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایک اور دنیا کے خواب نظر آتے ہیں۔ رہ گئی یہ 'دنیا' سو یہ دنیا تو مایا ہے مایا!

کئی بھینسیں اتنی بھدی نہیں ہوتیں مگر کچھ ہوتی ہی ہیں۔ دُور سے یہ پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ بھینس اِدھر آ رہی ہے یا اُس طرف جا رہی ہے۔ رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں---والا شعر یاد آ جاتا ہے۔

بھینس اگر ورزش کرتی اور غذا کا خیال رکھتی تو شاید چھریری ہوسکتی تھی۔ لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض لوگ مکمل احتیاط کرنے پر بھی موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بھینس کا مشغلہ جگالی کرنا ہے یا تالاب میں لیٹے رہنا۔ وہ اکثر نیم باز آنکھوں سے اُفق کو تکتی رہتی ہے۔ لوگ قیاس آرائیاں کرتے ہیں کہ وہ سوچتی ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں سوچتی۔ اگر بھینس سوچ سکتی تو رونا کس بات کا تھا۔

ڈارون کی تھیوری کے مطابق صدیوں سے ہر جانور اسی کوشش میں ہے کہ اپنے آپکو بہتر بنا سکے۔ یہاں تک کہ بندر انسان بن گئے ہیں۔ بھینس نے محض سستی کی وجہ سے اس تگ و دو میں حصہ نہیں لیا۔ اب پتہ نہیں ہو سکتا۔ ارتقائی دور ختم ہو چکا کیونکہ انسان بالکل نہیں سدھر رہا۔ بھینس یہ سب نہ جانتی ہے نہ جاننا چاہتی ہے۔ اگر ماہرین اُسے نقشوں اور تصویروں کی مدد سے سمجھانا چاہیں تب بھی بے سود ہوگا۔

بھینس کا حافظہ کمزور ہے۔ اُسے کل کی بات آج یاد نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے وہ انسان سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ اگر بھینس کی کمر میں پتھر یا لٹھ لگے تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتی۔ ذرا سی کھال ہلا دیتی ہے بس! ــــ اسے فلسفۂ عدم تشدد کہتے ہیں۔

بھینسے کو بالکل نکما سمجھا جاتا ہے۔ اسے ہل میں جوتنے کی سکیم ناکامیاب ثابت ہوئی کیونکہ وہ دائمی طور پر تھکا ہوا اور اَزلی سست ہے ــــ اُس نے بچپن میں بھینس کا دودھ پیا تھا۔

کبھی کبھی بھینسا چہرے کی جھریوں کو دیکھ کر چونک اُٹھتا ہے۔ اور سینگ کٹا کر کٹڑوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حرکت کون نہیں کرتا؟ بھینس کے سامنے بین بجائی جائے تو نتیجہ تسلی بخش نہیں نکلتا۔ بھینس کو بین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کبھی کبھی مجھ پر موڈ آتے ہیں جب میں گائے بکری وغیرہ کو بھینس جیسا سمجھنے لگتا ہوں۔

اُلّو

اُلّو بردبار اور دانش مند ہے، لیکن پھر اُلّو ہے۔

وہ کھنڈروں میں رہتا ہے لیکن کھنڈر بننے کی وجوہات اور ہوتی ہیں۔ اُلّو کا ذکر پرانے بادشاہوں نے اپنے روزناموں میں اکثر کیا ہے لیکن اس سے اُلّو کی پوزیشن بہتر نہیں ہوسکی۔

اُلّو کو وہی پسند کرسکتا ہے جو فطرت کا ضرورت سے زیادہ مداح ہو۔ روزمرہ کے اُلّو کی شکل وصورت میں اصلاح کی بہت گنجائش ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایک اُلّو دوسرے اُلّو کو کیونکر بھاجاتا ہے۔

دن بھر اُلّو آرام کرتا ہے اور رات بھر ہُو ہُو کرتا ہے۔ اس میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ میرا قیاس اتنا ہی صحیح ہوسکتا ہے جتنا کہ آپ کا ــــ! اُلوؤں کا خیال ہے کہ اُلّو تو ہی تو کا وظیفہ پڑھتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ اُن خود پسندوں سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ہر وقت مَیں ہی مَیں کا وِرد کرتے رہتے ہیں۔

شوخ اور باتونی پرندوں میں اُلّو کا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ وہ چپ چاپ رہتا ہے۔ اور غالباً حسن مزاح سے محروم ہے۔ بہت سے لوگ محض اس لئے ذی فہم سمجھے جاتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں مسکراتے۔

اُلّو یہ انتظار نہیں کرتے کہ کوئی اُن کا تعارف کرائے۔ دیکھتے دیکھتے یوں بے تکلف ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔ شریک حیات منتخب کرتے وقت اُلّو طبیعت، شکل وصورت اور خاندان کا خیال نہیں رکھتے۔ تبھی وہ صدیوں سے ویسے کے ویسے ہیں۔

مادہ ننھے اُلّوؤں کی بڑی دیکھ بھال کرتی ہے۔ مگر جونہی وہ ذرا بڑے ہوئے اور ان کی شکل اپنے ابا سے ملنے لگتی ہے انہیں باہر نکال دیتی ہے۔ اُلّو کو اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ یہ سب بے سود ہے۔

اُلّو دوسرے پرندوں سے میل جول کو اچھا نہیں سمجھتا۔ وہ

اپنا وقت اور زیادہ اُلّو بننے میں صرف کرتا ہے۔ ''آپ کام سو مہا کام''—اُلّو کا مقولہ ہے۔

اُلّو کا محبوب مشغلہ رات بھر بھیانک آوازیں نکال کر پبلک کو ڈرانا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ پبلک کیا چاہتی ہے۔ ہمارے ملک کی مثالی توہم پرستی میں اُلّو نے قابل تقلید حصہ لیا ہے۔ بہت سے لوگ اپنی ناکامیوں کا سبب اس غریب اُلّو کو بتاتے ہیں جو مکان کے پچھواڑے درخت پر رہتا ہے۔ اُلّو کی نحوست ہوتی ہے مگر اتنی نہیں۔

اُلّو اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ اچھے تو وہ ہوتے ہیں جو دُور جنگلوں میں رہتے ہیں۔ اُلّوؤں کو برا بھلا کہتے وقت یہ مت بھولیے کہ انہوں نے اُلّو بننے کی التجا تھوڑا ہی کی تھی۔

ماہرین غور کرتے رہتے ہیں کہ اُلّو ہمیشہ تنہا کیوں نکلتا ہے؟ اُلّوؤں کا جوڑا باہر کیوں نہیں نکلتا؟ ماہرین کو یہ بھی ڈر ہے کہ اُلّو دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، کہیں نایاب نہ ہوجائیں۔ اُنہیں فکر نہیں کرنا چاہیے۔ ایسی چیزیں کبھی نہیں مٹتیں، یہ ہمیشہ رہنے کے لئے آئی ہیں۔

ویسے اُلّوؤں کے بغیر بھی گزارا ہوسکتا ہے۔ مگر وہ بات نہیں رہے گی۔ اُلّو آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگے تو اس کی نیت آپ کو پریشان کرنے کی نہیں ہوگی۔ آپ بھی تو اُسے گھور رہے ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ زبان ہلائے بغیر آپ کو اپنا ہم خیال بنالے گا—اسے Hypnotism کہتے ہیں۔

اُلّو کی تلاش میں آپ کو زیادہ دُور نہیں جانا پڑے گا۔ اُلّو آپ کے قیاس سے کہیں قریب ہے۔ انسان کو ناشکرا نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں اُلّو سے زیادہ بری چیزیں بھی ہیں—دو اُلّو یا تین اُلّو!

اُلّو اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر قدرت ایک مرتبہ کچھ ٹھان لے تو اُسے پورا کر کے رہتی ہے۔

اس ساری لے دے کے باوجود اُلّو کی زندگی کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے۔ (مزید حماقتیں از شفیق الرحمٰن)

❀❀❀❀❀❀
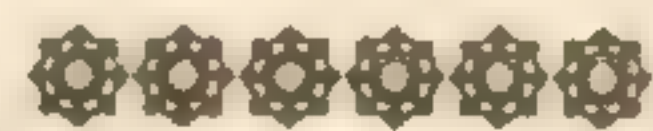
زہرہ Venus

"Jewel of the sky"

(مکرم واصف شہزاد صاحب کراچی)

نظام شمسی کا یہ حسین سیارہ جس کو اس کی خوبصورتی اور انتہائی چمک دار روشنی کی وجہ سے رومیوں نے اسے حسن و محبت کی دیوی یعنی زہرہ (Venus) کے نام سے منسوب کر دیا۔ سیارہ زہرہ نظام شمسی کا واحد سیارہ ہے جو ہماری زمین سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو "Sister planet" بھی کہا جاتا ہے۔ زہرہ تمام سیاروں میں دوسرے نمبر پر آتا ہے اور اس کا سورج سے فاصلہ 108.2 ملین کلومیٹر ہے۔ یہ ہماری زمین اور عطارد (Mercury) کے درمیان چکر لگا رہا ہے اور سورج کے گرد 225 دنوں میں اپنا چکر مکمل کرتا ہے۔ یہ اپنے محور کے گرد زمینی دنوں کے حساب سے 243 دنوں میں چکر مکمل کرتا ہے۔ زہرہ کا قطر 12,100 کلومیٹر ہے۔ یہ سیارہ شکل و صورت میں جتنا خوبصورت ہے اپنی سیرت کے لحاظ سے اتنا ہی بھیانک ہے۔ اس کا درجۂ حرارت 480 سے 500 ڈگری سینٹی گریڈ تک نوٹ کیا گیا ہے۔ یہ درجۂ حرارت ٹن، سیسہ، ایلومینیم جیسی دھاتوں کو پگھلانے کیلئے کافی ہے۔ اتنا زیادہ درجۂ حرارت زہرہ کی فضا میں ہونے والے گرین ہاؤس ایفیکٹ (Green House Efect) کی وجہ سے ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کی وجہ سے سورج کی شعاعیں فضا میں داخل ہونے کے بعد سطح سے ٹکرا کر باہر نہیں نکل پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورج کی گرمی سیارہ میں داخل ہو تو جاتی ہے مگر واپس نہیں جا سکتی۔

زہرہ کی فضا کا تقریباً 95 فیصد حصہ کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہے اور باقی نائیٹروجن، پانی کے بخارات آکسیجن ہائیڈروجن کلورائیڈ، آرگون، ہائیڈروجن فلورائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، ہیلیم اور کاربن مونو آکسائیڈ پر مشتمل ہے۔ سطح پر سخت گرمی کی وجہ سے فضا میں موجود آبی بخارات گندھک کے تیزاب کی شکل اختیار کر جاتے ہیں اس لئے زہرہ کی آب و ہوا انتہائی خشک ہے اس سیارے کی سطح بنجر اور پتھریلی ہے۔ گندھک اور کاربن ڈائی آکسائید کی موجودگی اور زیادہ درجۂ حرارت کی وجہ سے زہرہ کی سطح پر تیزابی بارش ہوتی رہتی ہے۔

ہماری زمین کے مقابلے میں زہرہ کی سطح پر فضائی دباؤ 92 گنا زیادہ ہے۔ جو بھی خلائی جہاز اس کی سطح پر اترتا ہے تقریباً ایک گھنٹہ ہی سلامت رہ پاتا ہے اس کی سطح پر حرکت کرنا انتہائی دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک انسان بردار خلائی جہاز کو زہرہ پر بھیجنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں گیا ہے۔ اس خوبصورت سیارے کو کسی بھی سادہ دوربین کے ذریعہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے کے فوراً بعد دیکھا جا سکتا ہے۔ زہرہ کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں سورج مغرب سے نکلتا ہے اور مشرق میں ڈوبتا ہے۔ حسن کی اس دیوی کے بارے میں بہت سی باتیں ابھی راز ہیں۔ امید ہے کہ جلد ہی سائنسدان اس کے بارے میں اور رازوں کو فاش کر سکیں گے۔

خلیفۂ وقت کی اطاعت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

''ہر اچھا نظر آنے والا عمل عمل صالح نہیں۔ بلکہ عمل صالح وہ اچھا عمل ہے جو ایمان کے مطابق ہو۔ جہاں تک خدام الاحمدیہ کے کاموں کا تعلق ہے۔ خدام الاحمدیہ کے وہی کام (دینی) اصطلاح کی رو سے اعمال صالحہ میں شمار ہوں گے۔ جو خلیفہ وقت کی ہدایات کے مطابق کئے جائیں۔ اگر خلیفہ وقت نے ایک منصوبہ تیار کیا ہو اس نے بعض ہدایات دی ہوں اور ہم انہیں چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں تو خواہ وہ کام جنہیں ہم نے کیا ظاہر بین نگاہ میں کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ وہ کام خدام الاحمدیہ کا ایک حلقہ کر رہا ہو تو بھی اور سارے خدام الاحمدیہ مل کر رہے ہوں تو بھی خدا تعالیٰ کی نگاہ میں عمل صالح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا ایک جزو یہ بتایا ہے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت کی جائے اور فرمایا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا کوئی سلسلہ جاری ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عالمگیر رحمت کی ایک تحریک اللہ تعالیٰ نے جاری کی کہ امت محمدیہ کیلئے قرآن کریم کی شریعت آپ کے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ یہ شریعت ہے، یہ قوانین ہیں، یہ اصول ہیں ان کے مطابق تم تمام دنیا میں رحمت کی نہریں جاری کرو۔ جو شخص قرآن کریم کے مطابق نہیں بلکہ اس کے خلاف کام کرے گا اس کا وہ کام عمل صالح نہیں ہوگا......

یہ تنظیم بڑی چھوٹی سی ابتداء سے شروع ہوئی تھی اور آج یہ بڑی ہی خوش کن اور بڑی اچھی صورت میں اور بڑی وسعتوں میں پھیلی ہمیں نظر آتی ہے اور اب جو بھی خلیفہ وقت ہوگا وہ حالات کے مطابق ہدایتیں دیتا چلا جائے گا۔ وہ بعض پہلی ہدایتوں میں ترمیم بھی کر سکتا ہے اور بعض تبدیلیاں بھی کر سکتا ہے کیونکہ مناسب حال عمل ہی قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہی عمل صالح بنتا ہے''۔

(مشعل راہ جلد دوم صفحہ ۲۳، ۲۴)

Monthly

Digitized By Khilafat Library Rabwah

C. Nagar

Editor:
Mansoor Ahmad Nooruddin

April 2005
Regd. CPL#76/FD

آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''درود اور سلام حضرت سید الرسل محمد مصطفیٰ اور اُن کی آل و اصحاب پر کہ جس سے خدا نے ایک عالمِ گم گشتہ کو سیدھی راہ پر چلایا اور وہ مربی اور نفع رسان کہ جو بھولی ہوئی خلقت کو پھر راہِ راست پر لایا وہ محسن اور صاحبِ احسان کہ جس نے لوگوں کو شرک اور بتوں کی بلا سے چھوڑایا وہ نور اور نور افشان کہ جس نے توحید کی روشنی کو دنیا میں پھیلایا وہ حکیم اور معالجِ زمان کہ جس نے بگڑے ہوئے دلوں کا راستی پر قدم جمایا وہ کریم اور کرامت نشان کہ جس نے مُردوں کو زندگی کا پانی پلایا وہ رحیم اور مہربان کہ جس نے امت کے لئے غم کھایا اور درد اٹھایا وہ شجاع اور پہلوان جو ہم کو موت کے منہ سے نکال کر لایا وہ حلیم اور بےنفس انسان کہ جس نے بندگی میں سر جھکایا اور اپنی ہستی کو خاک سے ملایا۔ وہ کامل موحد اور بحرِ عرفان کہ جس کو صرف خدا کا جلال بھایا اور غیر کو اپنی نظر سے گرایا وہ معجزۂ قدرتِ رحمٰن کہ جو اُمّی ہو کر سب پر علوم حقانی میں غالب آیا اور ہر یک قوم کو غلطیوں اور خطاؤں کا ملزم ٹھہرایا''۔

در دلم جوشد ثنائے سرورے　　آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل　　آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۷)